مسلک علمائے دیوبند

دیوبندی کسی گروہ یا فرقہ کا نام نہیں بلکہ یہ
اہلسنت والجماعت کے نظریات کی حامل
مسلمانوں کی ایک جماعت ہے!

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیّب قاسمیؒ

طیّب پبلشرز
5۔ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ فون 7241778

فہرست

حرف اول

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ مشرکین اور اہل ایران یعنی مجوسی اسلام کے مقابلے پر آئیں گے لیکن تھوڑی مدت کے بعد شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے لیکن اہل روم یعنی یورپ کی عیسائی اقوام ہمیشہ اسلام کے مقابلے پر رہیں گی بار بار شکست کھانے کے باوجود' پھر تازہ دم ہو کر مقابلے پر آتی رہیں گی اور اپنی نسل پرستانہ ذہنیت کی وجہ سے ایشیا اور افریقہ کی اقوام بالخصوص مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گی۔ علاوہ ازیں قرآن پاک اور دیگر احادیث میں بھی ان کی انسان دشمنی کو واضح کیا گیا ہے لہٰذا تاریخ نے یہ بات عملاً ثابت کر دکھائی۔ غزوہ خندق سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی وغیرہ کی صلیبی جنگیں اور پھر اسلامی ہند میں برطانوی سامراج کے ظلم و ستم کی بہیمانہ داستانیں سب ان الٰہی اور نبویؐ فرامین کی تصدیق کر رہی ہیں۔

امام شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کے فتویٰ "دارالحرب کے بعد قافلہ ولی اللّٰھی کے علماء ربانی نے برطانوی سامراج کے خلاف عملی جہاد شروع کیا اور یہ گرم جنگ 1857ء کے معرکے تک جاری رہی بعد ازاں آزادی کے ان علمبرداروں نے گرم جنگ کے بجائے سرد جنگ کی حکمت عملی اختیار کی اور دین کے تین اہم ماخذ قرآن' حدیث' فقہ اور دیگر معاون علوم کی تعلیم کے لیے ضلع سہارنپور (یوپی انڈیا) کے ایک قصبے دیوبند میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی بظاہر تو یہ ایک دینی مدرسہ تھا لیکن تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور ذہن سازی کرنے والے وہی علماء کرام تھے جو انسان دشمن برطانوی سامراج کے خلاف نبرد آزما تھے اور براعظیم اسلامی ہند کو آزاد کرانے کے لیے

سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے لہٰذا اس مدرسہ کے قیام کا مقصد محض تعلیم ہی نہیں تھا کہ یہ تعلیم مع تمام بنیادی لوازمات "درس نظامی" کے نام سے پہلے سے ہی موجود تھی اور یہ تمام مدرسین بدرجہ اتم ان تمام علوم کے حامل تھے۔ بلکہ اس مدرسہ کے قیام کا مقصد فکر آزادی کے حامل علماء کا تیار کرنا اور ان کی تربیت انسان دوستی اور دین کے جامع تصور حیات کی بنیاد پر کرنا تھا۔ برطانوی سامراج کے ظلم و ستم اور دیگر سازشی ہتھکنڈوں کے نتیجے میں ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمان دین کے جامع تصور حیات سے ناواقف اور محروم ہو گئے تھے۔ قرآن پاک کی ایک آیت میں جس کا مفہوم یہ ہے "اللہ وہ ذات ہے جس نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ وہ اللہ کی نشانیاں بیان کر کے انسانوں کو ایمان کی دعوت دیں اور جو ایمان لے آئیں ان کے دلوں کو روحانی بیماریوں سے پاک فرمائیں اور احکام الٰہی کی تعلیم دیں اور دین کو غالب کرنے کے لیے جہاد و سیاست بھی سکھائیں۔ جس کو ہم سادہ الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ طریقت شریعت اور سیاست تین بنیادی اصول ہیں جس پر دین اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ لیکن انگریز سامراج نے زبردست گہری سازش کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو اس جامعیت سے محروم کر دیا اور دین کے وسیع تر مفہوم کے بجائے صرف عقائد و عبادات کو مکمل دین باور کرا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے نظام عدل سے نہ صرف پوری انسانیت بلکہ خود مسلمان بھی محروم کر دیئے گئے اور ان پر بھی ظالمانہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام مسلط کر دیا گیا۔ اب ہوا یوں کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد غلبہ دین سے محروم ہو گئی اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مذہبی طبقے نے اپنے اندر یہ تصور پختہ کر لیا کہ دین میں سیاست نہیں ہے اور مسلمانوں کو صرف عقائد و عبادات تک محدود رہنا چاہیے ایک اور طبقہ اٹھا تو اس نے صرف تصوف کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا شریعت والوں نے صرف

علوم پڑھنے پڑھانے تک اپنے آپ کو محدود کرلیا۔ اس طرح مسلمان علیحدہ علیحدہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیان کے سامنے یہ تمام صورت حال موجود تھی لہٰذا ان حضرات نے ان تمام خرابیوں اور دشمنان انسانیت و اسلامیت کی تمام سازشوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے تعلیم و تربیت کا آغاز کیا اور اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ اس ادارے کی سب سے پہلی شخصیت شیخ الہند حضرت مولانا امام محمود حسن قدس سرہ کی شکل میں سامنے آئی جو ان تمام بنیادی علوم و اصول کے حامل بھی تھے اور کامل عملی نمونہ بھی۔ جنہوں نے علوم شریعت بھی سکھائے دلوں کو تمام روحانی بیماریوں سے پاک کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیا اور ساتھ ساتھ براعظیم اسلامی ہند کے انسانوں کو ظلم و ستم کی سیاست سے نجات دلانے کے لیے سردھڑکی بازی بھی لگائی اور اصحاب بدریین کا مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ زیر نظر کتاب "مسلک علمائے دیوبند" میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نے مذکورہ بالا ان تمام حقائق کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بات ثابت کی ہے کہ دیوبندی کوئی گروہ یا فرقہ نہیں ہے بلکہ فکرولی اللّٰھی کے حامل مسلمانوں کی جماعت ہے اور جو کام امام الائمہ مفکر اسلام پیران پیر حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے شروع فرمایا تھا اور دین کے جس جامع تصور کی تفصیلات اور دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے موجودہ حالات میں جن جدید طریقوں اور عمل کی ضرورت ہے اس کو اپنے لٹریچر میں واضح کیا تھا ان تمام علوم و عمل کے حامل لوگ ہی دیوبندی ہوتے ہیں اب جو شخص تحریک ولی اللّٰھی کے علم و عمل سے عاری ہو بے شک وہ مدرسہ دیوبند سے کتنا بھی گہرا تعلق رکھتا ہو اور ساری زندگی مدرسہ میں رہا ہو وہ دیوبندی نہیں کہلا سکتا اور وہ شخص جس نے بے شک دیوبند کا مدرسہ دیکھا بھی نہ ہو لیکن تحریک ولی اللّٰھی سے علمی اور عملی مناسبت رکھتا ہو وہ

دیوبندی کہلانے کا مستحق ہے۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا یہ مقالہ' عزیز پبلیکیشنز 56 میکلوڈ روڈ لاہور' دارالاشاعت اردوبازار کراچی اور دیگر اداروں سے بھی شائع ہو چکا ہے اب اس کو مزید عام کرنے کے لیے مکی دارالکتب اردوبازار لاہور نے نہایت کم قیمت پر احباب تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے اس ادارے نے محدود وسائل کے باوجود موجودہ دور کے تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر بہت سی اہم ترین دیدہ زیب کتب قارئین کے لیے پیش کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو صحت و استقامت کے ساتھ اس کار خیر کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس راہ کی مشکلات سے بھی محفوظ فرمائیں۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر

سید مطلوب علی زیدی عفی عنہ

لاہور 24 دسمبر 1997ء

مسلک علمائے دیوبند

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے لحاظ سے کلیۃً" اہلسنّت والجماعت ہیں اور اہلسنّت کا بھی اصل حصہ ہیں (جس سے وقتاً" فوقتاً" مختلف شاخیں کٹ کٹ کر الگ ہوتی رہی ہیں) ہندوستان میں یہ سلسلہ وقت کے ساتھ اجتماعی رنگ میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سے زیادہ پھیلا اور چمکا۔ اس سلسلہ کی وہ کڑی آج ہندوستان میں اہلسنّت والجماعۃ کے مسلک کی ترجمان اور رواں دواں ہے، علماء دیوبند ہیں، جنہوں نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس سلسلہ کو مشرق سے مغرب تک پہنچایا اور پھیلایا۔

علماء دیوبند صرف اہل سنت والجماعت کے اصول و قوانین ہی کے ازاول تا آخر پابند رہے ہیں بلکہ ان کے متوارث ذوق کو بھی انہوں نے تھاما اور محفوظ رکھا ہے۔ پھر وہ خود رو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر ان کا استناد اور سندی سلسلہ ملا ہوا ہے۔ اس لیے مسلک کے لحاظ سے نہ وہ کوئی جدید فرقہ ہیں اور نہ بعد کی پیداوار ہیں۔ بلکہ وہی قدیم اہلسنّت و الجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے۔ والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے تسلسل اور استمرار اور سند متصل کے ساتھ کابرا" عن کابر اچلا آ رہا ہے۔ وقت کے عوامل اور افراط تفریط نے چونکہ اہل سنت میں مختلف شاخیں پیدا کر دیں اور ہر نئی شاخ نے اصل ہونے کا دعویٰ کیا جو دعویٰ ہی کی حد تک نہیں رہا بلکہ اپنے وجود بقاء کے لیے ہر شاخ نے اصل طبقہ کے خلاف محاذ بنا کر اسے غیر اصل اور اپنے کو اصل

ثابت کرنے کی جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا جیسا کہ اصل سے کٹی ہوئی شاخوں کا طرز عمل یہی ہوتا ہے۔ اس لیے حقیقی اصل عوام کی نگاہوں میں مشتبہ ہونے لگی۔ اور بہت سے سوالات اٹھنے لگے۔ مگر اصل بہرحال اصل ہی ہوتی ہے اور معیار پر کسنے کے بعد اس کی اصلیت پوری طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس لیے بیان مسلک سے پہلے اس معیار کو واشگاف کرنیکی ضرورت ہے جس کی رو سے اصل اور غیر اصل میں فرق اور امتیاز کیا جاسکے۔

اصل اہل سنت والجماعت کون ہیں؟

سو اہل سنت والجماعت کے اس اصل طبقہ یا علماء دیوبند کے اس جامع اور معتدل ترین مسلک کو سمجھنے کے لیے جس میں افراط ہے نہ تفریط' نہ غلو ہے نہ مبالغہ' بلکہ کمال اعتدال اور جامعیت کا جوہر پیوست ہے سب سے پہلے اس کے لقب اور لقب کے ماخذ پر غور کر لیا جائے تو اسی سے اس کی بنیادیں واضح ہو جائیں گی اور معیار بھی مشخص ہو کر سامنے آ جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ مرکب اور مسلکی لقب دو اجزاء سے مرکب ہے ایک "السنة" اور ایک "الجماعة" ان دونوں کے مجموعہ ہی سے علماء دیوبند کا مسلک بنتا ہے تنہا ایک کلمہ سے نہیں۔ "السنت" کے لفظ سے اصول' قانون اور طریق نمایاں ہے اور "الجماعت" کے لفظ سے ذوات' شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مسلک میں اصول و قوانین بغیر ذوات کے اور ذوات بغیر اصول و قوانین کے معتبر نہیں جبکہ قوانین ان ذوات ہی کے راستہ سے آئے ہوں۔ اور ذوات ان قوانین ہی سے پہچانی گئی ہوں۔ اس لیے ماخوذ کو لے لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امت کو قرآن کریم ہی نہیں دیا بلکہ پیغمبر ﷺ کی ذات بھی عطا فرمائی ہے جنہوں نے قرآن کریم سنایا۔ سمجھایا۔ اس کے عمل کا نمونہ دکھلایا اور اس کے لیے ذہنوں

نے اپنے مسلک کی جامع حقیقت جس جامع لقب سے ظاہر کی ہے وہ حقیقت اور یہ لقب غالبا" اسی حدیث پاک سے اخذ کیا گیا ہے بلکہ امام احمد اور ابوداؤد کی اسی مضمون کی روایت میں تو "انا و اصحابی" کی جگہ الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے جس سے "انا و اصحابی" کی وہ مراد جو ہم نے بطور ماخوذ اور مستنبط ظاہر کی تھی' اس حدیث پاک سے صریح اور منصوص ہو جاتی ہے اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے بہتر فرقوں کو ناری اور ایک کو جنتی یا ناجی فرمایا تو خود ہی جنتی فرقہ کو "وھی الجمعاعة" کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اس لیے فرقہ اہل سنت والجماعت کے لقب کا ایک جزو تو منصوص بھی ہو گیا۔ اور ما سے چونکہ ہر وہ راہ مراد ہے جو اولا حضور ﷺ کی راہ ہو اور پھر آپ کی تبعیت (اتباع) میں بعد والی جماعت کی راہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ راہ نبویؐ ہی کا نام سنت ہے جو ما کا مصداق ہے اور جب ما کا مدلول ہی یہاں سنت ہو تو اس فرقہ کے لقب کا دوسرا جزو بھی تقریبا" منصوص ہی نکلتا ہے اور اس طرح اس فرقہ کے حقانی ہونیکی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ اس کا لقب خود حضور ﷺ نے تجویز فرمایا وکفی بہ فخرا" جس کا حاصل یہ نکلا کہ حق فرقہ وہی ہو گا جس میں یہ دونوں بنیادی اجزاء موجود ہوں۔ غور کیا جائے تو یہی لقب اس جامع حقیقت کو ظاہر بھی کر سکتا تھا جو اس فرقہ حقہ میں ما اور انا کے امتزاج سے نمایاں ہوئی۔ مثلاً اس فرقہ کا لقب اہل قرآن یا اہل حدیث' یا اہل فقہ' یا اہل تصوف یا اہل کلام' یا اہل اصول ہوتا تو اس سے ما کا مصداق یعنی شخصیتوں کا تصور نہ آ سکتا اس لیے یہ لقب اکہرا اور ناتمام ہوتا۔ اور اگر مثلاً اس کا لقب اہل جماعت یا متبعین صحابہؓ یا اصحاب محدثین و مجتہدین' یا اتباع فقہا' یا محبین اہل بیت وغیرہ رکھ لیا جاتا تو اس سے بلاشبہ انا کے مفہوم پر تو روشنی پڑ جاتی لیکن ما کے کلمہ کا حق نہ ادا ہو سکتا اور یہ سمجھ میں آتا کہ یہ فرقہ شخصیت پرست یا طبقہ پرست ہے جس کے پاس شخصیتوں کے سوا کوئی اصول نہیں ہے' کہ جس کی یہ پیروی کرے۔ پس یہ

لقب بھی ناتمام اکہرا، اور تقریباً" خلاف واقعہ ہوتا اور بیک وقت اس کے ذوق اصول پسندی و نیاز مندی کو ظاہر نہ کر سکتا اس لیے لقب اہل سنت و الجماعۃ رکھا گیا تاکہ اس کے مسلک کی یہ دونوں بنیادیں اصولیت اور شخصیت باول وحلہ نام سے ہی ظاہر ہو جائیں لکل من اسمہ نصیب

اندریں صورت جب کہ یہ مسلک کلام نبوی کی صریح عبارت ہے اور اس کے واضح منشاء سے ماخوذ ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسلک اور اس کا یہ نام اور عنوان عین منشائے نبوت اور عین مرضی خداوندی ہے جسے الحمدللہ اہل سنت والجماعت نے اپنایا اور اسے اپنا دستور حیات بنایا۔ اس لیے علمائے دیوبند کے مسلک کا خلاصہ حسب منشائے حدیث نبویؐ" مختصر الفاظ میں "اتباع سنت بتوسط شخصیات" نکل آتا ہے۔ اب اگر اس مسلک کو کھولنے کے لیے:۔

لفظ اہل سنت والجماعت کی تشریح

"السنت" اور "الجماعت" کے ان چھوٹے چھوٹے اور مختصر الفاظ کی وسیع ترین معنویت کو سامنے لایا جائے تو ان الفاظ میں لایا جا سکتا ہے کہ "السنت" کے تحت روش نبویؐ سے دین کے جس قدر بھی شعبے بنتے چلے گئے وہ سب علماء دیوبند کا جزو ہیں اور "الجماعت" کے تحت ذات نبویؐ کے فیض سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماء راسخین فی العلم تک ان شعبوں کے لحاظ سے جس قدر بھی عظیم شخصیتیں بنتی چلی گئیں، فرق مراتب کیساتھ ان سب کی عظمت و متابعت اور ادب و احترام اسی مسلک کا جوہر ہے اور اس طرح یہ مسلک اپنے اصول اور اپنی متبوع شخصیتوں کے لحاظ سے سنت نبویؐ اور ذات نبویؐ کی عظمت و محبت سے پیدا شدہ درخت ہے جس کے ہر پھل، پھول میں وہی سنت کا رنگ و بو رچا ہوا ہے جس کی وجہ اور نوعیت و کیفیت یہ ہے کہ کوئی بھی دینی شعبہ ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے جو سنت نبویؐ کے آثار میں سے نہ ہو، ورنہ اسے دینی

ہی کیوں کہا جاتا؟ اور دین کی کوئی بھی دینی اور اولوالامر قسم کی شخصیت ہی کیوں کہا جاتا۔ اس لیے اگر کسی مسلک کو منشائے نبوت کے مطابق بننا تھا تو وہ اس کے بغیر بن ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے تمام منتسب شعبوں اور حضور ﷺ سے منسوب تمام ذوات قدسیہ کے تعلق کو اپنے مسلک کا رکن بنائے اور انہی کی روشنی میں آگے بڑھے تاکہ اسے اپنے نبیؐ سے اصولی اور ذاتیاتی دونوں قسم کی صحیح نسبت رہے۔ کیونکہ حضور ﷺ ہی تعلق مع اللہ کی ساری نسبتوں کے جامع اور ان میں فرد اکمل ہیں۔ اس لیے اچھی نسبت جو حضور ﷺ سے چل کر آئے گی خواہ کسی شعبہ دین کے راستے سے آئے یا کسی دینی شخصیت کے توسط سے' وہ اپنے وابستہ کو حضور ﷺ ہی کی طرف لے جائے گی اور آپ ہی سے وابستہ کرے گی۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شریعت کے تمام علمی و عملی شعبے اور نہ صرف شرعی شعبے بلکہ دین کی وہ ساری حجتیں جن سے یہ شعبے اور خود شریعت بنی ہے وہ خود حضور ﷺ ہی کی مختلف الانواع نسبتوں کے ثمرات و آثار ہیں۔ مثلاً" آپ کی نسبت ایمانی سے عقائد کا شعبہ پیدا ہوا' جس کا فنی اور اصطلاحی نام کلام ہے۔ آپ کی نسبت اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے۔ آپ کی نسبت احسانی سے تزکیہ' نفس اور تکمیل اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ آپ کی نسبت اعلاء کلمتہ اللہ سے سیاست و جہاد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا عنوانی لقب امارت و خلافت ہے۔ آپ کی نسبت استنادی سے سند کے ساتھ نقل دین کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فن روایت و استناد ہے۔ آپ کی نسبت استدلالی سے حجتہ طلبی اور حجتہ بیانی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام درایت و حکمت ہے۔ آپ کی نسبت ارتقائی سے علوم فراست و معرفت کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فن حقائق و اسرار ہے۔ آپکی نسبت استقرائی سے کلیات دین اور قواعد شرعیہ کا شعبہ پیدا ہوا جس کا

اصطلاحی نام فن اصول ہے۔ خواہ وہ اصول فقہ ہوں یا اصول تفسیر و حدیث وغیرہ۔ آپ کی نسبت اجتماعی سے تعاون باہمی اور حسن معاشرت کا نام پیدا ہوا جس کا فنی اور اصطلاحی نام حضارت و مدنیت ہے۔

آپ کی نسبت تیسیری سے سہولت پسندی اور میانہ روی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی لقب عدل و اقتصاد ہے۔ پھر شرعی حجتوں کے سلسلہ میں دیکھیے جن سے اس جامع شریعت کا وجود ہوتا ہے تو آپؐ کی نسبت انبائی (نبوت سے) وحی متلو کا ظہور ہوا جس کے مجموعہ کا نام "القران" ہے' آپ کی نسبت اعلامی و بیانی ہے وحی غیر متلو' یعنی قولی و فعلی اسوہ حسنہ سے بیان قرآن کا ظہور ہوا' جس کے مجموعہ کا نام "السنة" ہے۔ آپ کی نسبت القائی اور وجدانی سے استنباط' اور استخراج مسائل کا ظہور ہوا جس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔ آپ کی نسبت خاتمیت سے امت میں دوامی ہدایت اور عدم اجتماع بر ضلالت کا مقام پیدا ہوا جس سے اس میں حجیت کی شان پیدا ہوئی جس کا اصطلاحی نام اجماع ہے۔

دین کی چار حجتیں اور مسلک اہلسنّت والجماعۃ کے عناصر ترکیبی

اور اس طرح آپ ہی کی نسبتوں سے دین کی چار حجتیں قائم ہوئیں' جن سے شریعت کے مسائل کا شرعی وجود ہوتا ہے۔

(۱) کتاب اللہ

(۲) سنت رسول اللہ

(۳) اجماع امت

(۴) اجتہاد مجتہد' جو فرق مراتب کے ساتھ متعارف ہیں۔

غرض دین کے شعبے ہوں یا حجتیں' سب سنت نبویؐ کی مختلف نسبتوں

سے پیدا شدہ ہیں جن کے اصطلاحی نام بعد میں رکھ لیے گئے جبکہ ان کو ان کے قواعد و ضوابط کو سنت نبویؐ سے اخذ کر کے فنون کی صورت دے دی گئی مگران کی حقیقتیں قدیم اور پہلے ہی سے ذات نبوی سے وابستہ تھیں اس لیے یہ سارے شعبے دین کے فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر، روایت، درایت، حقائق، اصول، حکمت، کلام اور سیاست وغیرہ السنت کے تحت سنت ہی کے اجزاء ثابت ہوئے۔ جن کو علماء دیوبند نے جوں کا توں لے کر اپنے مسلک کا رکن بنا لیا ہے اور وہ اس مسلک کے عناصر ترکیبی قرار پائے۔ پھر انہی شعبوں کے تحقیقات اور ان کی خصوصی مہارت و حذاقت سے اسلام میں خاص خاص طبقات پیدا ہوئے جو اپنے اپنے فن کے مناسب ناموں سے موسوم ہوئے جیسے متکلمین، فقہاء، صوفیا، محدثین، مجتہدین، اصولیین، عرفاء، حکماء، [illegible]قفاء وغیرہ۔

اور پھر ہر ہر طبقہ میں کمال حذاقت و مہارت اور خداداد فراست و بصیرت کے لحاظ سے اس فن کے ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے کہ یہ فن ہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور جو ہر نفس بن گیا۔ اور وہ اس درجہ اس میں منہمک اور فانی ہو گئے کہ ان کی ذوات اور فن دو چیزیں الگ الگ نہ رہیں، بلکہ دونوں مل کر گویا ایک ذات ہو گئے حتیٰ کہ اصول اور قواعد فن کی طرف وہ خود بھی حجت اور مقبول دلیل بن گئے۔ اس قسم کے لوگوں کو ان کی خداداد مخصوص صلاحیتوں اور کارناموں کے سبب ان فنوں کا امیر المومنین اور اولوالامر مانا اور پکارا گیا اور وہ امام اور مجتہد کے ناموں سے یاد کیے گئے جیسے ائمہ اجتہاد ابو حنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ، یا جیسے آئمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ یا جیسے آئمہ تصوف جنید و شبلی اور معروف و بایزید وغیرہ جیسے ائمہ درایت و تفقہ ابو یوسف محمد بن حسن مزنی اور ابن رجب وغیرہ یا جیسے حکمت حقائق رازی و غزالی اور ابن عربی وغیرہ، یا جیسے ائمہ کلام ابو الحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی، یا جیسے

ائمہ اصول، فخر الاسلام بزدوی اور علامہ دبوسی وغیرہ۔ اور اسی قسم کے اور شعبہ ہائے دین کی برگزیدہ شخصیتیں جن کے واسطوں اور افاضوں ہی سے مزکورہ فنون اور دینی شعبے ہم تک پہنچے۔

مسلک علمائے دیوبند کے اعضاء و اجزاء

انہی شعبوں کی طرح مسلک علماء دیوبند کے اعضاء و اجزاء قرار پائے جن کی درجہ بدرجہ توقیر و عظمت مسلک کا دوسرا اہم ترین رکن ہے۔ پس جیسے علماء دیوبند کا رجوع ان شعبوں کی طرف یکساں ہے اور کسی ایک شعبہ پر غلو کے ساتھ زور دینا ان کا مسلک نہیں کہ وہ تصوف کو لیکر حدیث سے بے نیاز ہو جائیں یا حدیث کو لے کر تصوف و کلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ فقہ میں لگ کر فن حقائق و اسرار سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔ یا اس کے برعکس حقائق میں منہمک ہو کر فقہی جزئیات سے بے توجہی برتنے لگیں۔ بلکہ ان تمام شعبوں کی طرف ان کا رجوع یکساں ہے۔ جبکہ یہ تمام ہی شعبے یکسانیت کیساتھ ذات بابرکات نبویؐ سے انتساب رکھتے ہیں ایسے ہی ان شعبوں کی مقدس شخصیتوں کی طرف رجوع اور ان کا ادب و احترام یکساں ہے۔ جب کہ ان میں سے ہر ہر شخصیت کسی نہ کسی جہت سے ذات اقدس نبوتؐ سے وابستہ اور ظلال نبوت میں سے ہے۔ اس لیے علماء دیوبند کے محدث ہونے کے یہ معنے نہ ہوں گے کہ وہ فقہ سے کنارہ کش ہوں اور فقیہہ ہونے کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ وہ حدیث سے یکسو ہوں۔ اصولی ہونے کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ وہ صوفی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں جیسا کہ صوفی کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ وہ متکلم کو کم رتبہ سمجھنے لگے جب کہ یہ ہمہ نوع شخصیتیں کسی نہ کسی جہت سے خلفائے نبویؐ اور آثار نبوت میں سے ہیں جیسا کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں ہر رنگ اور ہر طبقہ کے افراد جمع تھے اور ایک دوسرے کی عظمت و محبت اور ادب و احترام میں بھی انتہائی مقام پر تھے اس لیے امت

کے اہل علم و فضل افراد میں افضل ترین اور مقبول ترین ذوات اور اعلیٰ ترین طبقات وہی سمجھے گئے ہیں جن میں ان تمام شعبہ ہائے دین کے اجتماع سے جامعیت کی شان پیدا ہو گئی ہو اور وہ بیک دم قرن و حدیث' فقہ و اصول' تصوف و کلام' روایت و درایت' پھر راہ عمل کے اخلاق میں فقر و امارت' زہد و مدنیت' عبادت و خدمت' خلوت پسندی و جلوت آرائی' بوریہ نشینی و حکمرانی کے ملے جلے احوال و کیفیات سے سرفراز ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگی اسی جامعیت کا نکھرا ہوا نمونہ تھی اور بعد میں بھی ان کے نقش قدم پر قدم بقدم چلنے والی ذوات سے امت کبھی خالی نہیں رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی شخصیت پر غلبہ کسی خاص فن یا کسی خاص شعبہ کا رہا ہو' اور وہ اسی شعبہ اور فن کے انتساب سے دنیا میں متعارف ہو جو کہ جامعیت کے منافی نہیں۔

مسلک علمائے دیوبند کی اہم ترین اساس

پس جیسے دین کے یہ سارے علمی و عملی شعبے واجب الاعتبار ہیں ایسے ہی ان شعبوں کی ساری شخصیتیں واجب العقیدت اور واجب العظمت ہیں۔ اور ان کی محبت و عظمت ہی مسلک علمائے دیوبند کی اہم ترین اساس و بنیاد ہے کیونکہ جامعیت کی یہی راہ حضرات صحابہ کرامؓ کی رہی۔ اور اسی جامعیت کو انہوں نے متبعیت نبویؐ اپنا مسلک بنایا جس میں بیک وقت ان تمام سنن نبوی اور تمام شعبہ ہائے دینی کے ساتھ ذوات کی عظمت و توقیر اور ادب و احترام کو جمع کیے رکھا اور پھر اسی راہ جمعیت کو اہل سنت والجماعت نے اختیار کر کے اپنا یہ مرکب لقب تجویز کیا تاکہ ان کے نام ہی سے ان کے کام اور مسلک کی یہ جامعیت نمایاں ہوتی رہے اور یہی جامع طریقہ سلسلہ بسلسلہ چلتا ہوا حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچا جس کا طغرائے امتیاز بھی ارتفاقات و احترامات کا جمع کرنا ہے اور ان سے گزرتا ہوا یہی طریقہ بالآخر دارالعلوم دیوبند اور علماء

دیوبند تک پہنچا جن کی یہی جامعیت ان کے لیے وجہ امتیاز و تعارف بنی۔

مسلک علمائے دیوبند کا مزاج

پس مسلک علماء دیو بند محض اصول پسندی کا نام ہے، نہ شخصیت پرستی کا۔ نہ ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لیے تنہا لٹریچر کافی ہے، نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ نہ اپنا ذاتی ذہن غور و فکر کے لیے کافی ہے نہ تنہا شخصیتوں کے اقوال و افعال پر اتکال اور بھروسہ، بلکہ اصول و قانون اور ذوات و شخصیات اور بالفاظ مختصر لٹریچر بشرط معیت و ملازمت صدیقین سے اس مسلک کا مزاج اور احتیاط میانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن و حدیث سے لے کر فقہ و کلام اور تصوف و اصول وغیرہ کی چھوٹی سے چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت و اعتدال کے ساتھ اسے مشعل راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے۔ اور ادھر ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے لیکر ائمہ، اولیا، صلحا، و علما، مسائخ، صوفیاء اور حکماء کی ذوات قدسیہ تک کے بارہ میں افراط تفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت و متابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول و قوانین اور علوم و فنون کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں، عقیدہ اور عمل۔ جس کے لیے شریعت آئی اور ان شعبوں کی وضع کیا۔ باقی امور یا ان کے مبادی و لوازم ہیں یا آثار و نتائج جس سے ان فنون میں بحث ہوتی ہے۔

توحید تمام عقائد کی اساس ہے

عقیدہ میں بنیادی عقیدہ اور تمام عقائد کی اساس توحید ہے جو کہ سارے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا دین رہا ہے۔ اور عمل میں سارے

اعمال کی جڑ، بنیاد اتباع سنت اور پیروی اسوہ حسنہ ہے۔ باقی تمام طرق عمل جو سند کے ساتھ منقول ہوں، خواہ وہ پچھلوں کے ہوں یا اگلوں کے، ان سنن نبویؐ کے مبادی و لوازم میں سے ہیں یا آثار و نتائج میں سے۔ سو اس مسلک میں اصل چیز توحید خداوندی پر زور دینا ہے جس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہو سکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔

عقیدۂ توحید میں نقطہ اعتدال مسلک دیوبند ہے

لیکن ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل و کمال کو اس کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔ پس نہ توحید میں لگ کر بے باکی و جسارت اور ذوات کی عظمتوں سے بے نیازی مسلک ہے کیونکہ یہ کمال توحید نہیں، بلکہ توحید کا غلو ہے۔ اور ایسے ہی تعظیم شخصیات میں مبالغے کرنا جس سے توحید میں خلل پڑتا ہو یا اس میں شرک کی آمیزش کر دینا بھی مسلک نہیں، کہ یہ تعظیم نہیں یہ تعظیم کا غلو ہے۔ پس تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ تعظیم اہل دل متاثر نہ ہو، یہی وہ نقطہ اعتدال ہے جو مسلک علماء دیوبند ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں دیوبند کا مسلک

اس سلسلہ میں اولاً ذوات ہی کا معاملہ لیجئے تو عالم کی ساری برگزیدگیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا مخزن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ذوات قدسیہ ہیں جن کی محبت و عظمت اور عقیدت و متابعت ہی اصل ایمان ہے لیکن اس میں بھی علماء دیوبند نے حسب طریقہ اہل سنت والجماعت اپنے مسلک کی رو سے غلو اور افراط تفریط سے بچ کر نقطہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بارہ میں نہ تو انکا مسلک غلو زدہ اور بے بصیرت طبقوں کی طرح ہے کہ خدا اور انبیاءؑ میں کوئی فرق نہیں

صرف ذاتی اور عرضی کا فرق ہے۔ معاذ اللہ۔ یا خدا ان میں حلول کیے ہوئے ہے اور وہ ایک محض پردۂ مجاز ہیں۔ جن میں ربانی حقیقت سمائی ہوئی ہے گویا وہ خدا کے اوتار ہیں۔ یا وہ بشر کی عام نوع سے الگ مافوق الفطرت کوئی اور مخلوق ہیں جن میں نوع بشری کی مماثلت نہیں، یا وہ خدا کے گوہر کا نچوڑ گویا اس کی نسبی اولاد، یا اس کے اعزہ و احباب ہیں بیٹے پوتے ہیں۔ معاذ باللہ اور نہ ہی ان کا مسلک بے ادب مادہ پرستوں کی طرح ہے کہ وہ محض ایک ڈاکیا اور چٹھی رساں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا کام خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس! اس سے زیادہ معاذ اللہ! ان کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ سفیر محض کی کوئی عظمت ضروری نہیں ہوتی صرف عام انسانی احترام ہی کافی سمجھا جاتا ہے، بس اسی طرح ان کی بھی کوئی عظمت و عقیدت یا محبت ضروری نہیں، ظاہر ہے کہ یہ افراط و تفریط ہے جو محض جہالت کے شعبے ہیں حالانکہ دین و مذہب علم کا شعبہ ہے نہ کہ جہالت کا، بلکہ علم و ادراک کا بھی اصل ہے۔ ادھر یہ غلو ظلم کا شعبہ ہے نہ کہ عدل کا، اور مذہب کا بنیادی نقطہ اعتدال ہے نہ کہ افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ۔ بنا برین انبیاء کرام علیہم السلام کے بارہ میں علماء دیوبند کا مسلک ان دونوں خلاؤں کے درمیان کا نقطہ اعتدال ہے۔ یہ مقدسین جہاں پیغام الٰہی کے امین ہیں جنھوں نے کمال دیانت اور حزم و احتیاط کے ساتھ پیغام الٰہی مخلوق تک پہنچایا ہے کہ جو کہ عالم بشریت کا سب سے بلند ترین ہے۔ وہیں وہ اس کے رمز شناس معلم اور اس کی روشنی میں مخلوق الٰہی کے مربی و محسن بھی ہیں۔ اس لیے جہاں وہ خدا کے سچے پیغام بر ہیں جس سے ان کی امانت اور راست بازی کھلتی ہے وہیں وہ عالم کے مربی و معلم بھی ہیں جس سے ان کا محسن عالم ہونا کھلتا ہے اور اس کے ساتھ وہ انسانوں کو اخلاق انسانیت کا درس دینے والے شیوخ بھی ہیں جس سے ان کا محبوب عالم ہونا بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ہر تعظیم و عظمت کے مستحق اور ہر ادب و احترام کے

مستوجب ہیں مگر ساتھ ہی اس مسلک کا یہ بھی اہم جزو ہے کہ وہ بشر بھی ہیں۔ نوع بشر سے الگ ان کی کوئی نوع نہیں اس لیے جہاں ان کی بے ادبی کفر اور عظمت عین ایمان ہے وہیں اس عظمت میں شرک کی آمیزش بھی کفر سے بڑھ کر کفر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

پھر اس مقدس طبقہ کی آخری اور سب سے زیادہ برگزیدہ ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہے جن کی عظمت و سربلندی ہر بلند و برتر ہستی سے بمراتب بیشمار زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ اس لیے ان کی تعظیم و توقیر کے درجات اور حقوق بھی اوروں سے زیادہ ہیں۔ لیکن حضورؐ کے بارہ میں بھی علماء دیوبند کا مسلک وہی نقطہ اعتدال اور میانہ روی ہے جو خود حضور کی تعلیمات کی پیدا کردہ ہے۔ چنانچہ علماء دیوبند بصدق قلب سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو افضل الکائنات' افضل البشر اور افضل الانبیاء یقین کرتے ہیں مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ غلوئے عقیدت و محبت میں نفئی بشریت یا ادعاء او تاریت یا پردہ مجاز وغیرہ کہنے کی جرات نہیں کرتے۔ وہ آپ کی ذات بابرکات کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام کمالاتی خصوصیات خلت' اصطفائیت' کلیمیت' روحیت' صادقیت' مخلصت' صدیقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبداء نبوت انبیاء اور منشاء ولایت اولیاء سمجھتے ہیں اور آپ ہی پر تمام مختارات خداوندی کی ریاست کی انتہاء مانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کا سب سے بڑا کمال عبدیت یقین کرتے ہیں وہ کمالات نبویؐ اور علو درجات کو انتہائی ثابت کرنے کے لیے آپ کی حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت میں پہنچا دینے سے مدد نہیں لیتے اور نہ ہی اسے جائز سمجھتے ہیں۔ وہ آپؐ کی اطاعت مطلقہ کو فرض عین جانتے ہیں لیکن آپؐ کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔ وہ آپؐ کو ساری کائناۃ میں فرد اکمل بے نظیر جانتے ہیں لیکن

آپ میں خصوصیات الوہیت تسلیم نہیں کرتے اور اس میں ذاتی اور عرضی کا فرق بھی معتبر نہیں سمجھتے۔

وہ آپ کے ذکر مبارک اور مدح و ثناء کو عین عبادت سمجھتے ہیں لیکن اس میں عیسائیوں کے سے مبالغے جائز نہیں سمجھتے کہ حدود بشریت کو حدود الوہیت سے جا ملائیں۔ وہ برزخ میں آپ کی جسمانی حیات کے قائل ہیں لیکن وہاں معاشرت دنیوی کے قائل نہیں۔ وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ گنبد خضراء ہی کے منبع ایمانی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ کو حاضر و ناظر نہیں جانتے جو کہ خصوصیت الوہیت میں سے ہے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے خواہ ملائکہ یا انبیاء و اولیاء بمراتب بے شمار زیادہ اور بڑھ کر جانتے ہیں' لیکن پھر بھی اس کے ذاتی اور محیط ہونے کے قائل نہیں۔

غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات میں آپ کو ساری مخلوقات میں بلحاظ کمال و جمال یکتا' بے نظیر اور بے مثال یقین کرتے ہیں لیکن خالق کے کمالات سے ان کمالات کی وہی نسبت مانتے ہیں جو مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے کہ خالق کی ذات و صفات اور کمالات سب لامحدود ہیں اور مخلوق کی ذات و صفات اور کمالات سب محدود ہیں۔ وہ ذاتی ہیں یہ عرضی ہو کر بھی محدود۔ وہ خانہ زاد ہیں اور یہ عطا کا ثمرہ۔ پس یہ حدود کی رعایت وہی نقطہ اعتدال ہے جو اس مسلک اعتدال کی اساس ہے۔

صحابہ کرامؓ

نبی کریم ﷺ کے بعد مقدس ترین طبقہ نبیؐ کے بالواسطہ فیض یافتہ اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے جن کا اصطلاحی لقب صحابہ کرام ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خدا اور رسول نے حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صرف صحابہ کرام کا طبقہ ہے ان کے سوا کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ مقدس

نہیں فرمایا کہ طبقہ کے طبقہ کی تقدیس کی ہو۔ مگراس پورے کے پورے طبقہ کو راشد و مرشد' راضی و مرضی' تقی القلب' پاک باطن' مستمر الطاعت' محسن و صادق' اور موعود بالجنتہ فرمایا۔ پھران کی عمومی مقبولیت و شہرت کو کسی خاص قرن اور دور کیساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا۔ بلکہ عمومی گردانا۔ کتب سابقہ میں ان کے تذکروں کی خبردے کر بتلایا کہ وہ اگلوں میں بھی جانے پہچانے لوگ تھے اور قرآن کریم میں ان کے مدائح و مناقب کاذکر کر کے بتلایا کہ وہ پچھلوں میں بھی جانے پہچانے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جب تک قراں کریم رہے گا۔ زبانوں پر' دلوں میں ہر وقت کی تلاوت میں پنج و قتہ نمازوں میں' خطبات و موعظت میں۔ مسجدوں اور معبدوں میں' مدرسوں اور خانقاہوں میں' خلوتوں اور جلوتوں میں' غرض جہاں بھی اور جب بھی اور جس نوعیت سے بھی قرآن کریم پڑھا جاتا رہے گا' وہیں ان کا چرچا اور امت پر ان کا تفوق نمایاں ہوتا رہے گا بس بلحاظ مدح و ثنا وہ امت میں یکتا و بے نظیر ہیں جن کی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد اول و آخر کوئی نظیر نہیں ملتی مگر علماء دیوبند نے اپنے اس مسلک میں جو صحابہ کرامؓ کی بابت عرض کیا گیا' رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی گوشہ سے بھی اس میں افراط و تفریط اور غلو کو آنے نہیں دیا۔

مثلاً وہ اس عظمت و جلالت کے معیار سے صحابہ کرامؓ میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائق محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائق عداوت سمجھیں۔ کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور العیاذ باللہ کسی کی مذمت میں یا تو انہیں سب و شتم اور قتل و غارت کرنے پر اتر آئیں اور ان کا خون بہانے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھران میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آ جائیں۔ انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتی کہ ان میں سے بعض میں حلول خداوندی ماننے لگیں۔

علماء دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضرات مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں، مگر نبی یا خدا نہیں۔ بلکہ بشریت کی صفات سے متصف، لوازم بشریت اور ضرویات بشری کے پابند ہیں، مگر عام بشری سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں۔ جو عام تو بجائے خود ہیں، پوری امت کے اولیاء کرام بھی ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے۔ یہی وہ نقطہ اعتدال ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے بارہ میں علماء دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک تمام صحابہ کرامؓ شرف صحابیت اور صحابیت کی بزرگی میں یکساں ہیں اس لیے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ ان میں باہم فرق مراتب بھی ہے، لیکن یہ فرق چونکہ نفس صحابیت کا فرق نہیں اس لیے اس سے نفس صحابیت کی محبت و عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔

پس اس مسلک میں الصحابۃ کلھم عدول (صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے) کا اصول کار فرما ہے جو اس دائرہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کا جو بعینہ مسلک علماء دیوبند ہے اولین سنگ بنیاد ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند ان کی اس عمومی عظمت و جلال کی وجہ سے انہیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں اور یہ کہ بعد والوں کی نجات انہیں کے علمی و عملی اتباع کے دائرہ میں محدود ہے لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لیے ماننے لگیں اور یہ کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جسے چاہیں حرام بنا دیں۔ ورنہ نبوت اور صحابیت میں فرق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس وہ امتی تھے مگر نبوت کے مخلص ترین جان نثار خادم تھے جن کی بدولت دین اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور اس نے دنیا میں قدم جمائے اس لیے وہ سب کے سب مجموعی طور پر مخدوم العالم اور خیر الخلائق بعد الانبیاء ہیں، ہاں مگر یہ حضرات اس مسلک کی رو سے گو شارع تو نہ تھے مگر فانی فی الشریعت تھے۔ شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی اور وہ اس میں گم ہو کر اس کے درجہ

کمال پر آ گئے تھے جو مدار اطاعت ہوتا ہے اس لیے علماء دیوبند انہیں شریعت کے بارے میں عیاذاً باللہ خائن یا تساہل یا بدنیت یا حب جاہ و جلال کا اسیر کہنے کی معصیت میں مبتلا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ سب مقدسین' دین کی روایت کے راوی اول' دینی درایت کے مبصر اول' دینی مفہومات کے فہیم اول اور پوری امت کے مربی وال حسب فرمودہ نبیؐ امت کے حق و باطل تھے جن کی رو سے فرقوں کے حق و باطل کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ان کی محبت و عظمت دل میں ہے اور بلا استثناء ہے تو وہ فرقہ حقہ کا فرد ہے۔ اور اگر ذرا بھی ان کی عظمت و عقیدت میں کمی یا دل میں ان کی نسبت سے سوء ظن ہے۔ تو اسی نسبت سے وہ فرقہ ناجیہ سے الگ ہے۔ پس حق و باطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور ان کی دیانت اور تقویٰ باطن کا اعتراف اور ان کی نسبت قلبی اذعان و اعتماد ہے' اس لیے جو فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدول و متقن مانتا ہے وہی حسب ارشاد نبویؐ فرقہ حقہ ہے اور وہ الحمدللہ اہل سنت والجماعت ہیں اور جو ان کے بارہ میں بدگمانی یا بدزبانی کا شکار ہے تو وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے۔ اس لیے شریعت کے باب میں ان کے بارہ میں کسی ادنی دخل و فصل کات ہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اگر وہ بھی معاذ اللہ دین کے بارہ میں راہ سے ادھر ادھر بھٹکے ہوئے تھے تو بعد والوں کے لیے راہ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پوری امت اول سے آخر تک ناقابل اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے حسب مسلک علماء دیوبند جہاں وہ منفرد اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی و نقی اور صفی و وفی ہیں وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی انہی کے اتباع میں منحصر ہے اور وہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لیے نبی کے قائم مقام اور معیار حق تھے پس جیسے نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے ہی ان کے اجماع کا منکر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے حتی کہ ان کا تعامل بھی بعض ائمہ ہدایت کے یہاں

شرعی حجت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے جذباتی رنگ سے انہیں گھٹانا بڑھانا یا چڑھانا اور گرانا جسطرح عقل و نقل قبول نہیں کرتی اس طرح علماء دیو بند کا جامع عقل و نقل مسلک بھی قبول نہیں کر سکتا۔ علماء دیو بند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیش نظر انہیں سرتاج اولیاء مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ جس میں تقویٰ کی انتہا پر بشاشت ایمان جو ہر نفس ہو جاتی ہے اور سنت اللہ کے مطابق صدرو معصیت عادۃ" ناممکن ہو جاتا ہے ذلک از اخالط بشاشۃالقلوب اس مقام کے تقاضا سے ان کا تقویٰ باطن ہمہ وقت ان کے لیے مزکر رہتا تھا۔ پس معصوم نہ ہونیکی وجہ سے ان میں معصیت کا امکان تھا مگر محفوظ من اللہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا صدور اور ذنوب کا اقدام نہ تھا پھر اس طبقہ میں یہ امکانی معصیت کا احتمال بھی بیرونی عوارض یا طبیعت کی حد تک تھا قلبی دواعی کی حد تک نہ تھا کیونکہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے تقویٰ کے پرکھے پرکھائے ہونیکی شہادت قرآن کریم دے رہا ہے اس لیے اگر عوام صحابہ کرام میں سے کسی سے ابتدائی منزل میں طبعا" کوئی لغزش سرزد بھی ہوئی تو جیسا کہ وہ قلبی داعیہ یا گناہ کے کسی ملکہ سے جو دل میں جڑ پکڑے ہوئے ہو' سرزد شدہ نہ تھے ایسے ہی اس کا اثر بھی ان کے قلبی ملکات و احوال' یا باطنی تقویٰ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے ایسی اتفاقی لغزش سے بھی ان کی باطنی بزرگی جس کی خدا تعالیٰ نے شہادت دی ہے متہم نہیں ٹھہر سکتی۔

صحابہؓ پر تنقید اور مشاجرات صحابہؓ میں مسلک دیو بند

پس ان مقدسین میں کمال زہد و تقویٰ اور کمال فراست و بصیرت کی وجہ سے جذبات معصیت مضمحل اور دواعی طاعت مشتعل تھے۔ معصیت سے وہ ہمہ وقت بیگانہ تھے اور طاعت حق میں یگانہ۔ ایمان و تقویٰ ان کے

قلوب میں مزین اور کفر و فسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنا لیں بلکہ آپس کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتہ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے امت مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حقدار سمجھتے بلکہ ان کی پاکدامنی اور تقویٰ قلب کے منصوص ہو جانے کے دین کے معاملات میں ان کی لغزش تابحد خطارہ جاتی ہے۔ معصیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے ان کے مشجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء و صواب کا تقابل ہے' حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے باہمی معاملات میں (جو کہ نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسب مسلک علماء دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے اور نہ بد زبانی۔ یہ توجیہہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا۔ تلک دمآء طھر اللہ عنھا ایدینا فلا نلوث بھا السنتنا۔ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) صحابہ کرامؓ کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقہ کے مقدس نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثناء عدول کہا جائے لیکن پھر بھی اس امت مرحومہ کا کوئی قرن اور کوئی دور مصلحوں' ہادیوں' مجددوں اور مقدسین سے خالی نہیں رہا۔ اور ائمہ ہدایت' ائمہ علوم اور ائمہ کمالات ظاہر و باطن کی کمی نہیں رہی۔ علماء دیوبند کے مسلک میں ان تمام جواہر فرد افراد کی عظمت و جلالت یکساں ہے خواہ وہ مجتہد مطلق ائمہ ہوں یا مجتہد فی المذہب' راسخین فی العلم ہوں یا ائمہ فنون' محدثین ہوں یا فقہاء عرفاء یا حکماء اسلام سب کی قدر و منزلت انکے یہاں ضروری ہے۔ کیونکہ ان وارثان نبوت میں کوئی طبقہ نسبت ایمان و اسلام کا محافظ رہا اور کوئی نسبت احسان و عران کا۔ بالفاظ دیگر ایک علماء ظواہر کا رہا اور ایک علماء بواطن کا۔ اور یہ

دونوں طبقے تاقیام قیامت اپنے طبعی فرق و تفاوت کیساتھ باقی رہیں گے۔ اس لیے حسب مسلک علماء دیوبند اعتقاد و استفادہ کی یہ اعتدالی صورت بھی ان سب طبقات مابعد کے ساتھ قائم رہے گی۔ فرق اتنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پورے طبقہ کے ساتھ یہ عظمت یکسانی سے قائم تھی کہ وہ سب کے سب عدول اور متقن مانے ہوئے تھے۔ لیکن بعد والوں میں متقن بھی ہیں اور غیر متقن بھی' اس لیے طبقہ صحابہؓ کے بارہ میں تو موافقت کے سوا کسی مخالفت کا سوال ہی نہ تھا لیکن طبقات مابعد میں چونکہ وہ قرن صحابہؓ کی خیریت مطلقہ اور خیریت عامہ قائم نہیں رہی گو جنس خیر منقطع بھی نہیں ہوئی لیکن اس لیے ان میں عدول و غیر عدول دونوں قسم کے افراد ہوتے رہے اس لیے موافقت کے ساتھ مخالفت اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا۔ مگر علماء دیوبند نے اس موافقت و مخالفت اور اتفاق و اختلاف کے دونوں ہی پہلوؤں میں رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں۔ نہ کسی کو بے وجہ سامنے رکھ کر اس کے مقابلہ میں کوئی مستقل محاذ بنایا اور نہ بے وجہ کسی کو گروہی یا فرقہ واری انداز سے اپنا کر اس کی مدح و ثناہی کو مستقل موضوع قرار دیا۔ شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطا کو خطا اور پھر خطاء کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدس شخصیت کی خطاء میں پنہاں ہوتا ہے۔ نیز اس خطاء پر اسکی ساری زندگی کو خاطئانہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔ البتہ اگر یہ اعتزار ان کی زندگی سے مفہوم نہ ہو سکا تو خطاء کو اچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کی بجائے اس خطاء کی حد تک معاملہ خدا کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی پیدا کر لی' اسے خواہ مخواہ ہدف بنا کر شخصیتوں کو مجروح و مطعون کرنے کی کوشش نہیں کی جیسا کہ ارباب غلو اور اصحاب علو یا اہل خلو کا طریقہ رہا ہے۔ بالخصوص اس دور پر فتن میں جس کا خاص امتیازی نشان ہی علم و فہم اور حلم کی بجائے یا غلو کا

غلبہ ہے جو حدود شکنی ہے یا علو کا زور ہے جو کبر و نخوت ہے اور یا خلو کا دباؤ ہے جو جہالت کا استیلا ہے اور تینوں ظلم و جہل کے شعبے ہیں علم و عدل کے نہیں۔ اور علماء دیوبند کے مسلک کی بنیاد علم و عدل پر ہے، ظلم و جہل پر نہیں۔

اس لیے اس میں نہ غلو ہے اور علو ہے اور نہ خلو۔ چنانچہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ذات بابرکات نبویؐ اور ذوات قدسیہ صحابہ کرام کے بارہ میں اس کا مسلک عدل و اعتدال سے پر اور رعایت حدود پر مبنی ہے، خلو اور علو پر مبنی نہیں۔

تصوف اور صوفیاء

چنانچہ اس کی یہی صورت عدل و احتیاط اولیاء اللہ کے بارہ میں بھی ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم والسلام کے بارہ میں اگر امت غلو کر کے حدود شکنی کر سکتی ہے تو وہ صرف محبت کا غلو ہو سکتا ہے کیونکہ کفار کو چھوڑ کر امت کے کسی طبقہ میں بھی نبیؐ کی مخالفت یا معاذ اللہ محبت سے ہٹ کر عداوت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ غلو مخالفت کا کوئی واہمہ بھی پیدا ہو۔

اسی طرح حضرات صحابہؓ کے بارہ میں تمام اہلسنّت والجماعت کے عداوت صحابہؓ یا مخالفت صحابہؓ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ غلو عداوت یا غلو مخالفت کا احتمال پیدا ہو۔ البتہ اولیا کرام میں طبقہ داری تفاوت ممکن ہے کہ ایک طبقہ کا اپنے مشائخ سے وابستہ ہو کر دوسرے طبقہ کے مشائخ سے بے تعلق اور لاعلم ہو ظاہر ہے کہ اس صورت میں وابستگان میں تو بوجہ وحدت مذاق اور رجحان محبت غلو فی المحبت کا احتمال ہوتا ہے اور غیر مربوط یا بے تعلق افراد میں اختلاف مذاق یا بے تعلقی کیوجہ سے ناقدری، مخالفت اور غلو فی المخالفت کا احتمال ہو سکتا ہے اور اس طرح یہ دونوں طبقے حدود سے باہر ہو سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے انتہائی مدح سرائی اور دوسری طرف

سے انتہائی ہجو گوئی کے مظاہرے تک ہونے لگیں۔ جیسا کہ آج کل کے دور جہل و غباوت میں یہ بلا ہر طرف پھیلی ہوئی ہے لیکن جہاں تک علماء دیو بند کے مسلک کا تعلق ہے وہ اولیاء کرام کے ساتھ اس غلوئے محبت و مخالفت سے کوسوں دور ہے اس کے نزدیک جس درجہ اپنے مشائخ محبوب القلوب ہیں اسی درجہ دوسرے مسائخ بھی باعظمت و باوقعت ہیں اور اگر اتباع مشائخ میں کوئی بات طریق سنت سے کچھ ہٹی ہوئی بھی دکھائی دیتی ہو مگر خود مشائخ بحیثیت مجموعی اصل طریق پر قائم ہیں تو علماء دیو بند کے مسلک میں ان پر نکیر و ملامت نہ ہوگی اور متبعین کے ان منکرات سے انہیں مطعون نہیں کیا جائے گا۔

حاصل یہ کہ اولیاء کرام کا صوفیاء عظام کا طبقہ مسلک علماء دیو بند کی رو سے امت کے لیے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اس امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے اس لیے علماء دیو بند ان کی محبت و عظمت کو ایمان کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے۔ ان کی تعظیم شرعاً ضروری سمجھتے۔ ہیں لیکن اس کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع ار طواف و نذر یا منت یا قربانی کا محل بنالیا جائے وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے لیے قائل ہیں لیکن انہیں مشکل کشا، حاجت روا، دافع البلاو الوبا نہیں سمجھتے کہ وہ صرف شان کبریائی ہے۔ وہ اہل قبور سے حصول فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ وہ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر ان کے عید گاہ بنانے کے قائل نہیں وہ مجالس اہل دل میں شروط فقیہہ کے ساتھ نفس سماع کے منکر نہیں مگر گانے بجانے کی کسی درجہ بھی قائل نہیں۔ البتہ نسبت نبوت اور اور اتباع سنت کے غلبہ کی وجہ سے سماع سے الگ رہنا قابل ملامت نہیں بلکہ قابل مدح ہے۔

مشائخ دیوبند کا عمومی معمول بھی اس بارہ میں یہی ہے۔ بہرحالوہ روحانیت کے ابھارنے کے قائل ہیں، نفسیات کے بھڑکانے کے قائل نہیں۔

مروجہ رسوم کے متعلق مسلک دیوبند

وہ رسوم شادی و غمی کو اسوہ حسنہ اور سلف صالحین کے سادہ اور بے تکلف طریق عمل میں محدود رکھنا چاہتے ہیں اغیار کی نقالی یا تشبہ کو قابل رد سمجھتے ہیں۔ غمی کی رسموں، تیجہ، دسواں، چہلم، برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں اس لیے سختی سے روکتے ہیں اور شادی کی مروجہ رسوم کو خلاف سنت جانتے ہیں۔ اس لیے انہیں رد بھی کرتے ہیں۔ بہرحال رسم بدعت ہو یا رسم خلاف سنت، دونوں کو ہی روکتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ رسوم غمی کو قوت سے روکتے ہیں کیونکہ وہ ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لیے وہ بدعات ہیں، جن کی زد براہ راست سنت پر ہے اور شادی کی رسوم تمدن و معاشرت کے جذبہ سے انجام دیجاتی ہیں اس لیے وہ محض رسوم خلاف سنت ہیں۔

بدعت میں عقیدہ کی خرابی ہوتی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا جاتا ہے درآنحالیکہ وہ دین نہیں ہوتا۔ اور خلاف سنت میں عقیدہ محفوظ رہتا ہے صرف عمل کی خرابی اور ہوائے نفس ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں اصل دین محو ہو جاتا ہے، دوسری صورت میں اصل دین قلب میں محفوظ ہو کر عمل میں نقصان آجاتا ہے۔

ایصال ثواب کے لیے مسلک دیوبند

وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی مخصوص صورتیں بنانے کے قائل نہیں جنہیں مخصوص اصطلاحات نیاز، فاتحہ وغیرہ کے وضع کردہ عنوانات سے دیا کیا جاتا ہے۔ وہ اہل اللہ کی نسبتوں اور نسبتوں کی تاثیر کے قائل ہیں اور انہیں ذریعہ اصلاح احوال اور وسیلہ ترقی

درجات مانتے ہیں، مدار نجات نہیں سمجھتے۔

تکمیل اخلاق اور تزکیہ نفس اور شریعت و طریقت

وہ تکمیل اخلاق اور تزکیہ نفس کے لیے حسب سلاسل طریقت مشائخ کی بیعت و صحبت کو حق اور طریقت کے اصول و ہدایات کی پابندی تجربہ مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، لیکن طریقت کو شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے جو سینہ بسینہ چلی آ رہی ہو۔ بلکہ شریعت ہی کے باطنی اور اخلاقی حصہ کو طریقت کہتے ہیں جو اصلاح قلب کا راستہ ہے اور جسے شریعت نے احسان کہا ہے اس لیے اس کے اصول کو کتاب و سنت ہی سے ثابت شدہ جانتے ہیں مگر اس لائن کی بے اصولی یا خلاف اصول یا من گھڑت رواجی رسوم کو طریقت نہیں سمجھتے اور ان کے اختیار کرنے کو خلاف سنت سمجھ کر قابل رد سمجھتے ہیں۔ محض رواجات یا رسمی حال قال یا نمائشی اچھل کود اہل حال کے مغلوبانہ کلمات و افعال کی نقالی اور اس کے خلاف پر فتوی بازی، تکفیر سازی کو تصوف یا طریقت نہیں سمجھتے۔ وہ مشاہدہ و آثار صلحاء کی برکت اور ان سے تبرک و استفادکے قائل ہیں مگر انہیں سجدہ گاہ بنالینے کے قائل نہیں۔

موئے مبارک و پیراہن مبارک و نعلین مبارک

اگر آثار نبویؐ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام، جیسے موئے مبارک، پیراہن مبارک یا نعلین مبارک کا ایک تسمہ بھی مستند طریق پر مل جائے تو اسے سلاطین کے تاج اور دنیا و مافیہا کی ہر دولت سے کہیں زیادہ بڑھ کر دولت سے کہیں زیادہ بڑھ کر دولت سمجھتے ہیں۔ غیر مستند ہوں تو بے ادبی سے بچ کر بے سند چیزوں سے کنارہ کش ہو جانا ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ کے تبرکات و آثار کی عظمت بھی ضروری اور موجب خیر و برکت جانتے ہیں لیکن انہیں مقام رکوع و سجود بنا لینے یا انکے لیے تعظیم کی خاص خاص بندھی

جڑی رسوم بندی کے قائل نہیں۔ اس لیے وہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں کے قائل ہیں مگر تبرک کی حد تک نہ کہ تعبد کی حد تک۔

بہرحال حضرات صوفیاء اولیاء قدس اللہ اسرارہم کی محبت و عقیدت ان کے مسلک پر بلاشبہ ایک شرعی حقیقت ہے مگر اس میں غلوو مبالغہ' رسم بندی اور زمان و مکان کی قیدو بند اور از خود حدود سازی' محض رواجی چیز ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی چیزیں ابتدا" کسی صاحب حال اور مخلص سے اتفاقا" عمل میں آئی ہوں مگر بعد والے بے بصیرت عقیدت مندوں اور بے شعور عشاق نے انہیں ایک مستقل اصول اور قانون کے انداز سے بے پڑھے لکھے عوام میں بنام شریعت و اسلام پھیلا دیا جس سے انہوں نے بعد میں ایک جزو و شریعت بلکہ اصل شریعت کی صورت اختیار کرلی۔ بہرحال اس قسم کی رواجی صورتیں بے بصیرت اہل محبت کے اندر سے نکلی ہوئی ہیں۔ باشعور اور مبصر عشاق کے جذبات سے جو خدا و رسول کی پیروی سے پیدا شدہ ہوں' نکلی ہوئی نہیں۔ اس لیے جو مسلک بھی شعوری انداز کا ہو گا وہ اس فرق کو ہر مقام پر محسوس کرے گا۔

تعظیم اولیاءاللہ

حاصل یہ کہ ان کے مسلک میں تعظیم اولیاء اللہ جزو دین ہے رسم بندی جزو دین نہیں۔ احترام آثار دین میں سے ہے عبادت آثار دین میں سے نہیں۔ رسوم پیغمبر اصل دین میں ان کے متوازی من گھڑت رسوم دین نہیں۔ اسی طرح علماء دیوبند کا مسلک اولیاء اللہ کے شطحیات اور ان کے غلبہ حال کے کلمات و افعال میں بھی اس نقطہ اعتدال پر ہے۔ وہ نہ تو ان اقوال و افعال کی بنا پر جن کی سطح سنت و شریعت سے بظاہر ہٹی ہوئی نظر آتی ہے ان

حضرات کی شان میں کوئی ادنی بے ادبی اور گستاخی جائز سمجھتے ہیں کہ ان کی ولایت ہی سے منکر ہو جائیں۔ یا اس ولایت کو مشکوک سمجھنے لگیں یا ان پر طعن و تشنیع کرنے لگیں۔ اور اسی طعن و ملامت یا سب و شتم ہی کو دین سمجھنے کی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں اور نہ اس کے بالمقابل غلوئے محبت سے ان مبہم یا موہم کلمات و افعال ہی کو عین شریعت سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی طرف دعوت رغبت دینے لگیں بلکہ انکا معتدل مسلک یہ ہے کہ نہ وہ ان حوال و اعمال یا کشفیات و ذوقیات کو حجت شرعی سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف لوگوں کو بلائیں۔ اور جو نہ آئے تو اسے جذباتی رنگ میں اسلام سے خارج کرنے کے درپے ہو جائیں۔ اور نہ انہیں علی الاطلاق رد کر دینا ہی جائز سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل ہی لا یعباء بہ ہو کر رہ جائیں' بلکہ وہ اہل دل کے ایسے احوال و قوال کے بارے میں مسامحت کا پہلو اختیار کرکے انہیں ایک امر واقعی اور مبنی بر حقیقت سمجھتے ہیں گو وہ بظاہر خلاف سنت نظر آئیں جبکہ ان کا قائل اپنے عام حالات میں متبع سنت اور پابند شریعت ہے۔ اندریں صورت ان کی سعی ہوتی ہے کہ ایسے کلمات افعال کا ان قائلین کی عام پاکیزہ زندگی کی روشنی میں وہی صحیح محمل سمجھیں اور بتلائیں جو ان کا صحیح محل اور مقام ہے۔ جبکہ یہ کلمات ایک واقعی حال پر مبنی ہیں' بناوٹ نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی صورت ہی بظاہر خلاف سنت ہوتی ہے حقیقت جو ایک حال ہے خلاف سنت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس قسم کی شطحیات اور سکر کے اقوال و افعال کے بارہ میں بہت سے عارف اور مبصر علماء نے مستقل رسائل و کتب تالیف کر دیے ہیں جن میں توجہات کے ذریعہ ان کا صحیح محمل بیان کر دیا گیا ہے جو تاویل محض نہیں' حقیقت ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کرکے یہ توجیہات کی گئی کہ جس مقام پر پہنچ کر کسی صاحب حال سے یہ کلمات سرزد ہوئے حقیقتاً" اس مقام کا تقاضا ہی اس قسم کے احوال و کلمات ہیں۔

اس لیے غیر صاحب حال کو ان امور میں الجھنا بے سود بلکہ مضر ہے۔

در نیا بد حال پختہ ہیچ خام
بس سخن کوتاہ باید والسلام

رہا یہ کہ ان کی ظاہری صورت خلاف سنت ہے تو اس کا عذر غلبہ حال اور سکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حال صاحب حال کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے گا' قانون عام نہ ہو گا کہ اس تقلید یا تبلیغ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کوئی غیر معقولی یا غیر شرعی بات نہیں ہو سکتی کہ ایک صاحب حال اور متبع شریعت کو اس کی ایک بے خودی کی بات میں معزور سمجھ لیا جائے۔ دوسروں کو اس کا پابند نہ بنایا جائے اور ساتھ اس کا صحیح محمل تلاش کر کے صاحب حال کی طرف سے اعتدال اور دفاع کیا جائے۔ پس یہی معقول اور منقول مسلک اس بارہ میں علماء دیوبند کا ہے جس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اس قسم کا غیر اختیار حال حق' صاحب حال اس کے اظہار میں معذور' اس کا صحیح محمل ممکن بلکہ واقع' اس کی تقلید و تبلیغ ممنوع اور صاحب حال کی بے احترامی اور تغلیط سے کف لسان' اسی لیے علماء دیوبند کا مسلک اس بے انصاف روش کو برداشت نہیں کرتا کہ کسی برگزیدہ شخصیت کے کسی مبہم یا موہم قول کو زور لگا لگا کر کسی باطل معنی پر محمول کرنے کی سعی کی جائے۔ جبکہ اس کا اصلی اور صحیح محمل موجود بھی ہو' اس پر کلام محمول کرنے کی سعی کی جائے۔ جبکہ اس کا اصلی اور صحیح محمل موجود بھی ہو' اس پر کلام محمول بھی ہو سکتا ہو۔ اس کی زندگی محمل کی مقتضی بھی ہو' اور ساتھ ہی اس کے کلام کا اول و آخر اس محمل کو چاہتا بھی ہو۔ مگر پھر بھی پورا زور لگا کر اور پوری سعی و ہمت کر کے اسے غلط ہی معنی پہنائے جائیں اور اس کی پارسانہ زندگی کو کسی نہ کسی طرح مخدوش و مجروح ٹھہرایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ دین ہے نہ دیانت' نہ عدل ہے نہ انصاف' نہ عقل ہے نہ نقل بلکہ عناد ہے جو مسلکی چیز نہیں'

صرف جذباتی بات ہے' ہاں کلام والا ہی خود راہ پر نہ پڑا ہوا ہو اور اس کی عام روش زندگی ہی دین و سنت سے الگ اس کی خود ساختہ زندگی ہو جس میں اتباع سلف اور احترام خلف کی گنجائش نہ ہو جس پر اس کا طرز زندگی شاہد ہو تو وہ صاحب حال و مقام ہی نہیں۔ اس لیے اس کی کوئی بات کسی حال وہ مقام کی بات ہی نہیں کہ بصورت خرابی ظاہر اس کی توجیہ ضروری ہو یا اسے صاحب عذر کہہ کر اس سے مسامحت کی جائے بلکہ ایسے لوگ اس مسلکی گفتگو ہی سے خارج ہیں کہ ان کے کسی حال کو از خود زیر بحث لایا جائے۔ یہ گفتگو صرف ان عشاق الہی میں ہے جو راہ پر لگے ہوئے ہوں اور اثنائے راہ میں محبوب کی کوئی جھلک دیکھ کر بیتابی میں مدہوش ہو جائیں اور بے اختیار کوئی کلمہ رموز کے انداز میں ان کی زبان سے نکل جائے تو با معنی بھی ہو تا ہے اور اس کے معنی بیان بھی کیے جاتے ہیں۔ لیکن جو راہ ہی سے الگ ہوں اور انکی راہ خود ساختہ ہو تو اس راہ پر وہ محبت یا محبوب کی جھلک ہی نہ دیکھیں گے کہ بے خودی یا بیہوشی کی بات ان کے منہ سے نکلنے کی نوبت آئے۔ بلکہ وہ تو پوری ہوشیاری کے ساتھ شائستہ لب و لہجہ میں ایسی باتیں کریں گے جس سے ان کی قیمت اٹھ سکے۔ سوائے خود غرضی اور نقالی کے سوا کیا کہا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسوں کی لایعنی باتیں قابل توجہ نہیں بلکہ قابل رد اور ناقابل التفات ہوتی ہیں۔ بہر حال غلبہ حال کی یہ باتیں تو قابل توجہ ہو سکتی ہیں نہ کہ بے حالی کے بے نور کلمات مگر اسی کیساتھ اس مسلک ہی کا یہ جزو بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جہاں مغلوب الحال اہل اللہ کا عذر قابل قبول اور بات قابل تاویل ہے'

مغلوب الحالی کوئی اعلی مقام نہیں ہے

وہیں مغلوب الحال کوئی اونچا مقام بھی نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں بھی علو مقام کی بات یہ ہے کہ دامن سنت و شریعت ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ سوختہ جانی کے ساتھ ادب دانی ہی ہمت مردانہ ہے۔ اس لیے مشائخ دار العلوم

کی روش اس بارہ میں یہی رہی ہے کہ وہ غلبہ حال میں بھی از خود رفتہ نہیں ہوتے اور اتباع سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

اتباع سنت ہی علماء دیوبند کا مسلک ہے

بہر حال اتباع سنت علماء دیوبند کے مسلک میں اصل ہے جسے وہ ہر حالت میں قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں خلاف سنت امور جن کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہ ہو یا عارفان شریعت کے تعامل اور ذوق کے دائرہ میں اس کا کوئی مواخذ نہ ملتا ہو۔ یا ایسی رواجی عادات جنہیں دین کے نام پر رسوم دین باور کرایا جاتا ہو درحالیکہ دین یا دینی ذوق میں ان کی کوئی بنیاد نہ ہو' ان کے نزدیک قابل ردو انکار ہیں۔ اس لیے اس قسم کی بدعات و اختراعات سے الگ رہ کر اتباع سنت اور ادب طریق ہی علماء دیوبند کا مسلک ہے جو صحیح معنی میں اس کا مصداق ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نہ نداند جام و سنداں باختن

چنانچہ اس مسلک اعتدال اور سالکانہ احوال میں مشائخ دیوبند کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مجذوبوں یا مغلوب الحال مدہوشوں سے نہ کبھی الجھے اور نہ ان کے پیچھے پڑے بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے الگ تھلگ رہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں اس کے سوا سلامتی اور عافیت کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند کے اس مسلک اعتدال میں عرفاء طریقت کے اکابر و افاضل کی عظمت و منزلت خواہ وہ سالکان اعمال ہوں یا بے خود ان احوال فرق مراتب و درجات کے ساتھ وہی رہی ہے جو علمائے شریعت کی رہی۔

چنانچہ انکی نگاہ میں جو عظمت محدث کبیر حافظ ابن تیمیہؒ کی ہے وہی شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی بھی ہے اور جو قدر منزلت حضرت مجدد الف ثانی

" جیسی غالب علی الاحوال برگزیدہ ذات کی ہے وہی قدر و منزلت شیخ عبدالحق ردولوی" اور حضرت صابر کلیری" کی بھی ہے جو برسہا برس اپنے احوال کے سکر میں بے خود رہے۔ اور جو عظمت اور جلالت امام اعظم ابو حنیفہ" شافعی" مالک" احمد بن حنبل" جیسے آئمہ شریعت کی ہے حسب درجہ و مرتبہ وہی عظمت و جلالت حضرت جنید" و شبلی" اور بایزید بسطامی" اور معروف کرخی" جیسے ائمہ طریقت کی بھی ہے۔

مسلک علماء دیوبند میں ایک کا تقابل کر کے دوسروں کو گرانا، شئون نبوۃ کو آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بے اعتبار اور بے وقار بنانا ہے جو حد درجہ قبیح اور خطرناک راہ ہے اعاذ نا اللہ منہ۔ بعض لوگ سنن نبوت عمل در آمد کا نام لے کر معمولات اولیاء کو تحقیر سے کر دیتے ہیں اور بعض لوگ اولیاء اللہ اور مشائخ طریقت کے مسلوک راستوں کو سامنے رکھ کر سنن نبوت کو نذر بے التفاتی کر دیتے ہیں لیکن علماء دیوبند اپنے مسلک میں ان دنوں تصورات سے الگ وہی درمیانی نقطہ اعتدال رکھتے ہیں جو خود اولیاء اور مشائخ کی ذوات کے بارہ میں ان کے سامنے آچکا ہے ان کے یہاں اصل اصول اتباع سنت ہے۔ لیکن معمولات مشائخ بھی جس حد تک غلبہ حال یا سکر کے دائرہ میں نہ ہوں بے اعتنائی اور بے توجہی کے مستحق نہیں ہو سکتے بلکہ وہ سنن انبیاءؑ کی عملی مشق کے ثمرات و نتائج ہوتے ہیں یا ان کے لیے مبادی و اسباب جن سے سنن انبیاءؑ پر چلنے کی توفیق اور قوت ملتی ہے اس لیے ان سے بے التفاتی بلاشبہ محرومی و حرمان ہے۔ البتہ وہ شریعت نہیں ہوتے کہ شرائع کی طرح ان کی تبلیغ و ترویج کو اسٹیج کا موضوع بنا لیا جائے جس سے سنت نبویؐ جو اصل مقصد ہے غیر اہم ہو کر رہ جائے۔ ورنہ یہ وہی غلو اور مبالغہ ہو گا جس سے مسلک علماء دیوبند الگ ہے۔ طرق اولیاء تربیتی باتیں اور معالجات نفس ہیں قانون عام نہیں ہیں کہ تبلیغی انداز سے ان کا عمومی مظاہرہ کیا جائے۔

اب جہاں تک علماء امت، فقہاء محدثین، متکلمین، مفسرین، اصولین، اور دوسرے ارباب علم و فضل کا تعلق ہے سو ان کی رفعت شان اور منصب نیابت کی عظمت و جلالت کوئی ایسا پیچیدہ یا نظری مسئلہ نہیں کہ اس پر دلائل قائم کرنیکی ضرورت ہو کیونکہ اتنی بات ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مذہب کی بقاء علم مذہب سے ہے، جس مذہب کا علم باقی نہیں رہتا وہ مذہب بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ سماوی مذہب درحقیقت وحی الہٰی ہے اور وحی ہی کا دوسرا نام علم ہے جس کے محافظ علماء امت قرار دیے گئے ہیں اور لقب بھی ان کا علماء رکھا گیا۔ اسی لیے مذہب کا حقیقی محافظ طبقہ علماء ہی کا طبقہ ہے۔ انہوں نے جہاں اس آخری وحی الہٰی کی محیر العقول حفاظت کی وہیں اس کے مقابل آنیوالے فتنوں کی حیرت ناک طریق پر مدافعت بھی کی ہے جو فتنہ جس رنگ سے آیا اسی رنگ سے انہوں نے اسکا کامیاب مقابلہ کیا۔ اور نہ صرف وقتی اور ہنگامی بلکہ اس نے مقابلہ میں اسی رنگ کا ایک مستقل علم کتاب و سنت سے نکال کر نمایاں کر دیا جو اس فتنہ کے دفعیہ کا مستقل اور دوامی سامان بن گیا اور جوں جوں امت آگے بڑھتی گئی علم کے لحاظ سے جامع اور وسیع تر ہو گئی اور اسکا علم شاخ در شاخ ہوتا گیا۔ اگر فتنہ عقل کے راستہ سے آیا تو متکلمین اور حکماء اسلام کھڑے ہو گئے اور انہوں نے قرآنی حکمت سے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ اگر نقل و روایت کے راستہ سے آیا تو محدثین نے اس کے مقابلہ کے لیے قرآنی روایت و اسناد کے علوم جمع کر کے اسے جمنے نہیں دیا۔ اور اگر فتنہ درایتی انداز سے آیا تو فقہاء امت نے قرآنی و حدیثی استنباطوں سے اس کی کمر توڑ دی۔ اگر اخلاقی رنگ سے آیا تو عرفائے امت (صوفیاء کرام) نے قرآنی علم اخلاق سے اسے کچل کر رکھ دیا۔ اور اگر فتنہ نظم و سیاست کی لائن سے آیا تو خلفاء نے قرآنی سیاست سے اس کے راستے بند کر دیے۔

غرض ظاہری فتنہ ہو یا باطنی آیات و روایات کے ظاہر و باطن نے وہ

علوم و حقائق اس امت کے علمائے ظاہر و باطن کو بخشے کہ انہوں نے ہر رنگ میں فتنہ کو پہچان کر اس کے راستے روک دیے اس لیے جہاں تک ان کی عظمت، قدر و منزلت اور ادب و احترام کا تعلق ہے اس کے بارے میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں بالخصوص جب کہ علماء دیوبند کا نمایاں ترین موضوع اور اساسی مقصد ہی تعلیم اور ان اکابر امت کے علوم کی ترویج اور ان ہی کی کتب کی تدریس ہے نہ صرف احاطہ دارالعلوم بلکہ تمام جماعت دیوبند کے مدارس و مکاتب اور تعلیم گاہیں ہمہ وقتی ان ہی کے علوم کے افادہ میں محو اور منہمک ہیں۔ بخاری و مسلم، جلالین و بیضاوی، ہدایہ و وقایہ تلویح و توضیح، نسفی و جلالی، حجتہ اللہ و حجتہ الاسلام اور دوسرے علوم و فنون کی کتب درس ان ہی کی کتابیں اور انہیں کے سینوں کے سفینے ہیں جو ہر وقت عقیدت و عظمت کے ساتھ زیر درس اور بر زبان ہیں تو ان کے مصنّفین اور مصنّفین کے شیوخ و اکابر اور پھر ان کے اسلاف و اصول اور ان کے اوپر ائمہ ہدایت اور ارباب اجتہاد کی عظمت و عقیدت نہ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ قدرتی طور پر ان کی عظمت دلوں پر مستولی اور چھائی ہوئی ہونی چاہیے۔ یہ علوم و فنون ہی ان علماء ربانی کی عظمتوں کے تحت پڑھائے جاتے ہیں اگر عظمت نہ ہوتی تو ان کی کتابوں اور ان کے علوم کی عظمت اور اس عظمت سے شغل تعلیم و تعلم کیسے ممکن تھا اس لیے ان کے حق میں بدگمانی، چہ جائیکہ بد زبانی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم ان میں سے بھی اگر کسی کے کچھ نوادر سامنے آتے ہیں جیسا کہ ہر عالم کے ساتھ علمی جوش سے سرزد شدہ کچھ ایسے نوادر اور شاذ مسائل بھی ہوتے ہیں جو بظاہر طریق سلوک یا اصول فن یا قواعد شرعیہ کے مخالف دکھائی دیں۔ اور اسی لیے ضرو المثل کے طور پر مقولہ بھی مشہور ہے لکل عالم ہفوۃ تو اس میں بھی علماء دیوبند کا مسلک بجائے ردو قدح اور محاذ سازی کے وہی روش احترام و تادب اور احتیاط و اعتدال کے ساتھ

ایسے نوادر کی توجیہہ و تاویل ہے جبکہ صاحب مقولہ کا علم و اتباع اور علمی عظمت مسلم ہو۔ پھر نوادر کا قصہ تو شاذ و نادر ہی کبھی سامنے آتا ہے لیکن مسائل فن کے اختلافات مسائل کے اصول و ضوابط اور وجوہ علل کے اختلافات فقہی مذہب کے اختلافات تو روز مرہ کے ہیں جو کتب درس کے ضمن میں ہمہ وقت زبان زد رہتے ہیں۔ اگر نفس اختلاف سوءادب یا سوء ظن کا مقتضی ہوتا تو ان اکابر علم و فن اور ارباب تصانیف میں سے کوئی بھی ادب و عظمت کا مستحق باقی نہ رہتا۔

لیکن اس مسلک اعتدال کے تحت یہ کیسے ممکن ہے کہ اختلاف کسی مخالفت کی صورت میں نمایاں ہو یا دو مختلف اہل فن کے بارہ میں تنقیص و تردید کا کوئی پہلو دل یا زبان پر آئے' بلکہ ان اس استدلالی اختلافات سے جو اصول کے اتحاد کے ساتھ ہوتے ہیں' اختلاف کرنیوالوں کی عظمت و جلالت شان دلوں میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بڑھتی ہے جبکہ انکے اختلافات اور اختلافات کی توجیہات سے علوم نبوت کے کتنے ہی دروازے کھلتے رہتے ہیں جس سے ان اختلافات کا ترجمہ رحمت واسعہ ہونا نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ پس ان اختلافات کے سلسلے میں تردید و ابطال کے بجائے توجیہہ حسن اور ایضاح مسئلہ ہی اکابر کے سامنے رہتا ہے۔ رہے ایسے نوادر جن کی توجیہہ مشکل ہو تو انہیں خدا کے سپرد کر کے حسن ظن کو ضائع نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ نوادر نہ مذہب ہوتے ہیں اور نہ مخالف مذہب' اس لیے ان پر چلنا بھی جائز نہیں ہوتا اور انہیں ٹھکرا کر تحقیر کرنا بھی اوانہیں ہوتا۔ اس قسم کی مبہم عبارتوں یا تفریعی مسائل کو مال غنیمت سمجھ کر دلوں کا بخار نکالنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے حتی الامکان متشابہات کے اصول پر ایسے متشابہ اور مبہم امور کو صاحب معاملہ کے محکمات کی طرف رجوع کر کے ان کا صحیح محمل تلاش کرنیکی سعی جاتی ہے۔ تاکہ صاحب قول خواہ مخواہ متہم اور مجروح نہ ہو بلکہ ایسے مواقع پر امام اوزاعی کا

یہ زریں اصول ہر ایک کے پیش نظر رہتا ہے کہ "من اخذ بنوادر العلماء فقد کفر" جو علماء کے نوادر اور شاذ امور سے تمسک کریگا وہ کفر کا مرتکب ہو گا۔ جو کہ درحقیقت مسلک کے معتدل جامع اور احوط ہونے کا قدرتی اثر ہے۔

حواشی

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث کا ٹکڑا یہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے۔ وان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین و سبعین ملة و استفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدہ قالو امن ھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انا علیہ و اصحابی۔ ترجمہ:۔ بلاشبہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جو کل کل کے جہنمی ہونگے بجز ایک فرقہ کے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کونسا فرقہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرامؓ چل رہے ہیں اسی پر چلنے والے جنتی ہوں گے۔"

فقہ اور فقہا

فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں بھی علماء دیوبند کا مسلک وہی جامعیت اور جوہر اعتدال لیے ہوئے ہے جو اولیاء علماء کے بارہ میں انہوں نے اپنے سامنے رکھا۔ جس کا خلاصہ بطور اصول یہ ہے کہ وہ دین کے بارہ میں آزادی نفس سے بچنے، دینی بے قیدی اور خودرائی سے دور رہنے اور اپنے دین کو تشتت اور پراگندگی سے بچانے کے لیے اجتہادی مسائل میں فقہ معین کی پابندی اور ایک ہی امام مجتہد کے مذہب کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتے ہیں اس لیے وہ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت فقہیات میں حنفی المذہب ہے لیکن اس سلسلہ تقلید و اتباع میں بھی اعتدال و جامعیت کی روح سرایت کیے ہوئے ہے جس میں افراط تفریط کا وجود نہیں۔ نہ تو ان کے یہاں یہ آزادی ہے کہ وہ سلف کے قائم کردہ اصول تفقہ اور انسے استنباط کردہ مسائل ہی کے قائل نہ ہوں اور ہر قدم پر اور ہر زمانہ میں ایک نیا فرقہ مرتب کرنے کے خبط میں گرفتار ہوں یا بالفاظ دیگر اپنے فہم ورائے کی قطعیت کے توہم میں اجتہاد مطلق کا دعوی لے کر کھڑے ہوں، اور نہ اس کے برعکس فقہیات میں ایسے جمود اور بے شعوری کے قائل ہیں کہ ان فقہی مسائل کی تحقیق و تدقیق یا ان کے ماخذوں کا پتہ چلانے کے لیے کتاب و سنت کی طرف مراجعت کرنا بھی گناہ تصور کرنے لگیں اور ان فقہی استنباطوں کا رشتہ بھی قرآن و حدیث سے جوڑنا اور ان کی مذید حجتیں اپنی وسعت علم سے نکال لانا بھی خودرائی اور آزادی نفس کے مترادف باور کریں۔

پس وہ بلاشبہ مقلد اور فقہ معین کے پابند ہیں مگر اس تقلید میں بھی محقق ہیں جامد نہیں۔ تقلید ضرور ہے مگر کورانہ نہیں لیکن اس شان تحقیق

کے باوجود بھی وہ اور ان کی پوری جماعت مجتہد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ البتہ فقہ معین کے دائرہ میں رہ کر مسائل کی ترجیح اور ایک ہی دائرہ کی متماثل یا متخالف جزئیات میں سے حسب موقعہ و محل اور حسب تقاضا زمان و مکان کسی خاص جزئی کے اخذ و ترک یا ترجیح و انتخاب کی حد تک وہ اجتہاد کو منقطع بھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے ان کا مسلک کورانہ تقلید اور اجتہاد مطلق کے درمیان میں ہے پس وہ نہ کورانہ اور غیر محققانہ تقلید کا شکار ہیں اور نہ برخود غلط ادعائے اجتہاد کے وہم میں گرفتار ہیں۔ پس ایک طرف تو وہ خودرائی اور آزادی نفس سے بچنے کی خاطر نصوص کتاب و سنت تو بجائے خود ہیں۔ اقوال سلف اور ذوق سلف تک کا پابند رہنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسری طرف بے بصیرتی اور کورذہنی سے بچنے کی خاطر اصول افتاء اور فتاویٰ کو ان کے اصل ماخذوں سے نکلتا ہوا دیکھنے سے بھی بے تعلق رہنا نہیں چاہتے۔ غرض نہ تو وہ مجتہدین فی الدین کے بعد اجتہاد مطلق کے قائل ہیں اور نہ ہی جنس اجتہاد کی کلی نفی کر کے فتاویٰ کی حقائق و علل کے استخراج اور ان کے مویدات کے استنباط سے گریزاں ہیں بلکہ تقلید کے ساتھ تحقیق کا ملا جلا رنگ لیے ہوئے ہیں۔

اسی کے ساتھ فقہ معین اختیار کر کے بلاشبہ دوسرے فقہوں سے عملاً الگ ہیں مگر عملاً الگ نہیں اور تمام اجتہادی مسائل میں حنفی مذہب کا تابع رہ کر جہاں اس کے مسائل کو تصویب کرتے ہیں وہیں پورے علم کے ساتھ دوسرے فقہوں کے مخالف مسائل اور دلائل کی جوابدہی بھی کرتے ہیں لیکن رنگ اعتدال و تادب کے ماتحت اس جوابدہی یا اپنی تصویب کا یہ منشا ہرگز نہیں ہوتا کہ حق صرف مذہب حنفی ہی میں منحصر ہے یا دوسرے مذاہب فقہی معاذ اللہ باطل اور مخالف کتاب و سنت ہیں' بلکہ صرف یہ کہ ہم ان مسائل میں مبتدع نہیں ہیں ان کی حجت کتاب و سنت سے رکھتے ہیں نہ کہ دوسرے

مذاہب کے مسائل معاذ اللہ بلا حجت یا باطل ہیں۔ پس اپنے مذہب کی ترجیح پیش نظر ہوتی ہے دوسرے مذاہب کا ابطال پیش نظر نہیں ہوتا۔ کیونکہ علماء دیوبند کے مسلک پر یہ متعدد اور باہم مختلف فقہیں ترجیحی مذاہب ہیں تبلیغی مذاہب نہیں۔ تبلیغ اس حق کی ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں باطل ہو تاکہ لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف آئیں نہ کہ اس حق کی کہ اس کے مقابلہ میں بھی حق ہی ہو۔ ورنہ یہ ابطال حق ہوگا نہ ترجیح۔ فرق اتنا ہے کہ منصوص اور غیر متعارض مسائل میں حق حقیقی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا مقابل باطل کہلائے گا جس کی تردید کی جائے گی اور مختلف مسائل میں خواہ ان کا ثبوت اجتہاد سے ہو یا متعارض نصوص سے جن میں مجتہد نے ترجیح دے کر ایک جانب متعین کی ہو۔

خلاصہ یہ کہ یا مسئلہ ہی اجتہاد سے ثابت شدہ ہو یا ترجیح مسئلہ اجتہاد سے ثابت شدہ۔ دونوں صورتوں میں حق اضافی ہوتا ہے جس کا لقب صواب ہے۔ اور اس کا مقابل خطاء کہلاتا ہے جس کو مرجوح کہیں گے نہ کہ باطل۔ ورنہ مجتہد خاطی کو ثواب نہ ملتا۔ بلکہ وہ گنہگار ٹھہرتا اس لیے کسی اجتہادی مسئلہ کو صواب کہیں گے تو مع احتمال الخطاء، اور اگر اس کی مخالف جانب کو خطا کہیں گے تو مع احتمال الصواب لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ خطا، وصواب مجتہد کے اعتبار سے نہیں ہے وہ تو جس جانب کو بھی اختیار کرتا ہے اپنے تیقن کے ساتھ صواب ہی سمجھ کر اختیار کرتا ہے نہ کہ تردد کے ساتھ جس میں اپنی خطاء کا احتمال ہو ورنہ ایسی مشکوک اور بین بین بات اختیار ہی کیوں کرتا اور مقلدین پر ایسی مشکوک اور مشتبہ بات کی پیروی ہی کیسے واجب ہوتی بلکہ یہ خطاء وصواب علم خداوندی کے لحاظ سے ہے کہ مجتہد کی اپنی پوری سعی وکاوش کے باوجود اختیار کردہ پہلو آیا وہی ہے جو کہ منشاء خداوندی ہے یا نہیں۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس مسئلہ زیر اجتہاد میں عند اللہ صواب کی

ایک جانب متعین ہے اور حق واحد ہے۔ احتمال اس میں اتنا ہے کہ مجتہد نے اپنی انتہائی سعی و کاوش کے بعد بھی آیا منشاء خداوندی کو پالیا ہے یا نہیں۔ اور اس کی سعی منشاء حق تک پہنچ چکی ہے یا نہیں۔ لیکن چونکہ یہ منشاء الٰہی کسی قاعدہ و ضابطہ سے علم میں نہیں آسکتا اس لیے مجتہد اس کے پانے اور اس تک پہنچ جانے کا مکلف بھی نہیں بلکہ صرف اپنی سعی اور اس کے نتیجے ہی کا مکلف ہے جو اس کے اپنے علم کی حد تک ہے اور وہ یقیناً" اور بلا تردد صواب ہے۔ اس لیے اس کی پیروی خود اس پر بھی واجب ہے اور اس کے مقلد پر بھی۔

اس لیے کسی بھی مجتہد کو ناحق پر نہیں کہہ سکتے۔ بنا بریں ایک مسئلہ کی دونوں جانبوں متضاد کو بیک وقت حق کہا جائے گا۔ اور یہ خطاء و صواب بمعنی امر حسن اور امر قبیح نہ ہوگا جسے حق و باطل سے تعبیر کیا جائے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اجتہادی مسائل وحدت حق اور تعدد حق کے دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہوتے ہیں مگر وحدت حق اور تعین حق علم خداوندی کے لحاظ سے ہوتا ہے تعدد حق مجتہد کی اپنی سعی و کاوش کے لحاظ سے ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے قبلہ مشتبہ ہو جانے کی صورت میں بصورت تحری (کوشش) قبلہ تو فی نفسہ ایک ہی ہے جو متعین ہے مگر تحری والوں کی تحری لحاظ سے متعدد ہے۔ اور ان کے حق میں وہ بلاشبہ حق ہے' اس لیے تعدد حق اور وحدت حق دونوں جمع ہو گئے۔ یا جیسے اختلاف روایت اور شہادت کی وجہ سے لیلتہ القدر جس کا مظنہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں غالب ہے' ہر ایک کی الگ الگ ہوں گی اور ان روایت اور شہادت والوں کے حق میں باوجود متعدد ہونے کے حق ہو گی۔ گو عنداللہ وہ ایک ہی ہے جو متعین ہے۔ اس لیے وحدت حق اور تعدد حق دونوں جمع ہو گئے وہی صورت اجتہادی مسائل میں بھی ہے۔

بہرحال جبکہ ان فقہیات میں حق متعدد ہو سکتا ہے جسے ہم نے حق انصافی سے تعبیر کیا ہے تو بصورت اختلاف اجتہاد جب کہ دونوں طرف حق ہے تو ردو ابطال کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں فریق مخالف کے حق میں زور آزمائی کی جائے۔ اس لیے علماء دیوبند کا مسلک فقہی اور اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی پر عمل کرنا ہے۔ اسے آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانا ائمہ مذاہب پر زبان طعن دراز کر کے عاقبت خراب کرنا نہیں۔ جبکہ یہ سب ائمہ خود ہمارے ہی ائمہ ہیں جن کے علوم سے ہم ہر وقت مستفید اور ان کے علمی احسانات کے ہمہ تن رہین منت ہیں۔

اندریں صورت تقلید شخصی عمل کو محدود کرتی ہے علم کو محدود نہیں بناتی بلکہ عمل کی ایک جانب کو مرکز بنا کر مختلف علوم کو اس سے جوڑتی ہے جس سے نئے نئے علوم پیدا ہو کر علم کے دائرہ کو وسیع تر بنا دیتے ہیں اور اس طرح ائمہ کا اختلاف علمی اور عملی دائروں کے لیے رحمت واسعہ ثابت ہوتا ہے اس مسلک پر ائمہ اجتہاد کی محبت و عظمت کے حقوق کی ادائیگی اس میں نہیں ہے کہ اپنے اجتہادی مذہب کی فوقیت کو ظاہر کر کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس کی تبلیغ و اشاعت کی فکر کی جائے یا اپنے مذہب کی تائید کے لیے دوسرے مذاہب فقیہہ کے ردوابطال میں زور صرف کیا جائے' اور یا دوسرے ائمہ اجتہاد اور سلف صالحین کی شان میں گستاخی' سوء ادب اور ان کی فروعیات کے ساتھ تمسخر و استہزاء سے دنیا و آخرت تباہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک صورت بھی ترجیح یا تقویت مذہب کی نہیں' ابطال مذہب کی ہے اور یا پھر غرور علم کی ہے کہ اپنے ہی مذہب میں حق کو منحصر سمجھ لیا جائے جو بلاشبہ افراط و تفریط ہے' جس سے مسلک علماء دیوبند بالکل الگ ہے۔ جو کسی بھی امام مجتہد یا اس کے فقہ کی کسی چھوٹی سے چھوٹی جزئی کے بارہ میں تمسخر یا سوء ادب یا رنگ ابطال و تردید سے پیش آنے کو خسران دنیا و آخرۃ

سمجھتے ہیں وہ فقہاء و مجتہدین کی توقیر و احترام کے یہ معنی نہیں سمجھتے کہ یہ فقہیں شرائع اصلیہ ہیں جن کی تبلیغ ضروری ہے اور امام مجتہد معاذ اللہ صاحب شریعت ہے جس نے یہ فقہ کی کوئی شریعت نئی پیش کی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ اجتہادیات شرائع فرعیہ ہیں جو شرائع اصلیہ میں سے نکل کر ظاہر ہوئی ہیں۔

ائمہ مجتہدین صرف انہیں اصل شریعت سے بواسطہ اجتہاد نکال کر پیش کر دیتے ہیں اس لیے وہ توہین کی بجائے پوری امت کی تحسین اور شکریہ اور تعظیم کے مستحق ہیں کہ انکی فراست و بصیرت خداداد اور شان تفقہ کی حذاقت و مہارت نے ان لپٹے ہوئے مسائل کو جو کلیات شریعت میں مستور تھے کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا' امت کا فرض قدر شناسی' منت پزیری اور حسب مناسبت انہیں اپنا کر زندگی کا دستور العمل بنانا اور اپنے دین کو پراگندگی اور تضاد سامانی سے بچالیجانا ہے نہ کہ انہیں آڑ بنا کر لڑائیوں اور توہین و استہزا کے میدان ہموار کرنا اور جو اس خود ساختہ تبلیغ و دعوت پر لبیک نہ کہے خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کسی دوسری فقہ پر عمل پیرا رہے اس کے خلاف ملامتوں کے ووٹ پاس کرتے پھرنا۔

بہرحال اجتہادی اختلافات میں کسی امام و مجتہد کی پیروی کرنا اور چیز ہے اس کے فقہ کو موضوع تبلیغ بنا کر دوسرے فقہوں کی تردید کرنا اور چیز سے ہے اپنے اختیار کردہ فقہ کی حد تک ترجیح پر مطمئن ہونا اور چیز ہے اور دوسرے فقہوں پر طعن و ملامت کرنا اور چیز ہے۔ پہلی صورت مسلک علماء دیوبند کی ہے اور دوسری صورت کا ان کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث اور محدثین

حدیث کے سلسلے میں بھی علماء دیوبند کا مسلک نکھرا ہوا اور صاف ہے اور اس میں وہی جامعیت اور اعتدال کا عنصر غالب ہے جو دوسرے مقاصد دین

میں ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ حدیث چونکہ قرآن شریف کا بیان اور دوسرے درجہ میں مصدر شریعت سمجھتے ہیں اس لیے کسی ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی چھوڑنے کے لیے نہیں ہوتے۔ بشرطیکہ وہ قابل احتجاج ہو۔ حتی کہ متعارض روایات کے سلسلہ میں بھی ان کی سب سے پہلی سعی اخذ و ترک کی بجائے تطبیق و توفیق اور جمع بین الروایات کی ہوتی ہے تاکہ ہر حدیث کسی نہ کسی طرح عمل میں آ جائے۔ متروک نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک سلسلہ روایات میں اعمال اولی ہیں اہمال سے پھر اسی جامعیت مسلک کے تحت حسب اصول حنفیہ متعارض روایات میں رفع تعارض کی جس قدر اصولی صورتیں ائمہ اجتہاد کے یہاں زیر عمل ہیں وہ سب کی سب موقعہ بموقعہ مسلک علماء دیوبند میں جمع ہیں مثلاً تعارض روایات کی صورت میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں صحت روایت اور قوت سند پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ اصح مافی الباب روایات کو اختیار کرتے ہیں اور ضعیف روایات کو ترک کر دیتے ہیں یا مثلاً امام مالک رحمتہ اللہ کے یہاں ایسی صورت میں تعامل اہل مدینہ یا تعامل حرمین پر زیادہ زور دیا گیا ہے جونسی روایت تعامل کے مطابق ہو گی وہ اسے اختیار کر کے ماسواء کو ترک کر دیں گے۔ یا مثلاً امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کے یہاں تعارض روایات کی صورت میں فتاویٰ صحابہ کرامؓ کی کثرت پر زور دیا گیا ہے۔ جس روایت کے ساتھ یہ کثرت جمع ہو جائے گی وہ اسے مذہب کی بنیاد بنا کر باقی روایات کو ترک کر دینگے۔

لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے یہاں زیادہ زور جمع روایات اور تطبیق و توفیق پر دیا گیا۔ وہ اس باب کی تمام روایات کو جمع کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ اس مجموعہ سے شارع علیہ السلام کی غرض کیا نکلتی ہے؟ اور روایات کا وہ قدر مشترک کیا ہے جس کے یہ مختلف پہلو مختلف روایات کے ضمن میں بیان ہو رہے ہیں۔ اس لیے وہ قوت سند یا تعامل حرمین یا فتاویٰ صحابہ کرامؓ پر نظر

ڈالنے سے پہلے نصوص سے مناط حکم کی تخریج کرتے ہیں پھر اس کی تحقیق کرتے ہیں اور پھر اس کی تنقیح اور تجزیہ کر کے اس روایت کو بنائے مذہب قرار دیتے ہیں جس میں یہ غرض شارع زیادہ نمایاں اور واضح ہوتی ہے خواہ وہ روایت سنداً" قوی ہو یا کچھ کمزور۔ اور بقیہ روایات کو ترک کرنے کے بجائے اس غرض شارع اور مناط حکم کے معیار سے اس وایت کے ساتھ جوڑتے چلے جاتے ہیں جس میں یہ معیاری غرض نمایاں تھی جس سے ساری روایات اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور مناط حکم کے ساتھ حکم کے وہ اجزاء جو ان مختلف روایات میں پھیلے ہوئے تھے موقعہ بموقعہ جڑ کر اس باب کا ایک عظیم علم بن جاتے ہیں جس کی کھلی وجہ یہ ہے کہ ہر حدیث علم و حکمت کا ایک مستقل منبع اور مخزن ہے اور اس تطبیق و توفیق روایات کی وجہ سے جب کہ کوئی روایت بھی ترک نہیں ہونے پاتی خواہ وہ قوی السند ہو یا ضعیف السند۔ تو ہر روایت کا علم محفوظ رہتا ہے اور نہ صرف الگ الگ بلکہ یہ سارے علوم کسی ایک معیار سے جڑ کر مرتب علم کا ایک عظیم ذخیرہ بن جاتے ہیں جو ترک حدیث کی صورت میں ممکن نہ تھا پھر نہ صرف یہی ایک ذخیرہ میسر ہو جاتا ہے بلکہ ساری حدیثوں کے علم کا یہ مجموعہ یکجا ہو کر کتنے ہی نئے علوم کے دروازے کھول دیتا ہے اور جب کہ تعامل صحابہؓ اور فتاویٰ صحابہؓ بھی مویدات کے طور پر ان روایات کے ساتھ جمع کر دیے جاتے ہیں تو اس علم میں ایک دوسرے عظیم علم کی آمیزش ہو کر یہ دریا سمندر بن جاتا ہے جس میں بنیادی نقطہ مناط حکم ہوتا ہے جسے مرکز بنا کر حنفیہ تمام ائمہ اجتہاد کے اصول اور اپنے مخصوص اصول تفقہ سے کام لیتے ہیں جس سے روایات بھی جمع ہو جاتی ہیں اور رفع تعارض کے سارے اصول بھی اپنے اپنے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں مرجحات اور اسباب ترک حدیث کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ البتہ جہاں رفع تعارض کی صورت نہ بن پڑے اور ترجیح بہرحال ناگزیر ہو جائے وہاں وجہ

ترجیح اس پر راوی کا تفقہ ہے۔ پس وہ روایت قابل ترجیح ہوگی جس کے راوی فقیہہ ہوں۔

غرض علماء دیوبند کے مسلک میں محض قوت سند یا اصح مافی الباب ہونا اصل نہیں بلکہ بصورت جمع مناط حکم اور بصورت ترجیح تفقہ اصل ہے کیونکہ صحت سند سے زیادہ سے زیادہ حدیث کے ثبوت کی پختگی معلوم ہو سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث زیادہ ثابت ہو وہ اس دائرہ کا بنیادی فقہ بھی اپنے اندر رکھتی ہو یا اس کے راوی فقیہ بھی ہوں۔

پس اگر اصح مافی الباب حدیث لے لی جائے جس میں صرف حکم مسئلہ موجود ہے اور غیر اصح بوجہ غیر اصح ہونے کے ترک کر دی جائے جس میں حکم مسئلہ کے ساتھ علت حکم اور مناط حکم بھی موجود ہے تو حکم بلاعلت کے جائے گا۔ اور جب کہ علت حکم ہی سے یہ حکم اپنی دوسری امثال میں بھی پہنچ سکتا تھا جو اس حکم کے پھیلاؤ اور وسعت کی صورت تھی۔ اور یہ صورت اس لیے متروک ہو گئی کہ اس کا ماخذ اصح مافی الباب نہ تھا بلکہ اس کی نسبت سے ضعیف السند تھا تو یقیناً" اس حکم کی جامعیت اور وسعت امثال ہونا ختم ہو جائے گا جس سے فقہ کی وسعت بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لیے امام ابو حنیفہؒ قوت سند سے زیادہ مناط حکم کی تخریج و تحقیق اور تنقیح اور تفصہ روایت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ جس سے حکم کی قوۃ بھی نمایاں ہوتی ہے اور وسعت بھی۔ ظاہر ہے کہ جب وایت کے ساتھ یہ روایت شامل ہو گی تو اس قسم کی ایک ہی حدیث سے جو مناط حکم پر مشتمل ہے اس باب کے سینکڑوں احکام کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور تمام مسائل اپنے حقیقی مرکز سے مربوط ہو کر حل بھی ہو جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ صحیح روایتیں تو بجائے خود ہیں ضعیف روایتیں بھی جو قابل احتجاج ہوں ہاتھ سے جانے نہیں پائیں گی۔

اس لیے تطبیق روایت اور جمیع بین الاحادیث حنفیہ کا خاص اصول

ہے جس پر وہ زیادہ سے زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ کوئی روایت حدیث چھوٹنے نہ پائے، مگر افسوس ہے کہ پھر بھی انہیں قیاس کہہ کر تارک حدیث کا خلاف واقعہ لقب دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے جامع اصول کے لحاظ سے خود ہی صاحب فقہ نہیں، بلکہ وہ اصولاً" تمام فقہوں کے جامع اور محافظ بھی ہیں اور اسی لیے شاید حضرت امام شافعی رحمتہ علیہ نے امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ "الناس فی الفقہ عیال علی ابو حنیفہ" لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔"

البتہ اس جمع بین الروایات اور تحقیق و تنقیح مناط کی وجہ سے حنیفہ کے یہاں بلا شبہ توجیہات کی کثرت ہے کہ اس کے بغیر روایات باہم جڑ کر حکم کا جامع نقشہ پیش نہیں کر سکتیں۔ مگر یہ توجیہات تاویلات محضہ یا تخمینی باتیں نہیں بلکہ اصول اور نصوص سے موید ہونے کی وجہ سے تقریباً" تفسیرات حدیث کے ہم پلہ ہوتی ہیں اس لیے حدیث کے بارہ میں علماء دیوبند کے مسلک کا عنصر غالب جامعیت و اعتدال ہے جس میں نہ تشدد ہے نہ تساہل، بلکہ وہ روایات کے ساتھ تمام ائمہ کے اصول کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

کلام اور متکلمین

یہی اعتدال مسلک کی صورت کلام اور متکلمین کے بارہ میں بھی ہے۔ نصوص صریحہ سے ثابت شدہ عقائد تقریباً" سب کے یہاں متفق علیہ ہیں اس لیے ان میں علاوہ نفس کتاب و سنت کے اجماع بھی شامل ہے لیکن استنباطی یا فروعی عقاید یا قطعی عقیدوں کی کیفیات و تشریحات میں ارباب فن کے اختلافات بھی ہیں اس لیے ان میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے متکلمین کے بابصیرت ائمہ میں سے کسی ایک کا دامن سنبھالنا اسی طرح ضروری تھا جس طرح فقہیات اور اجتہادی اختلافات میں ایک فقہ معین کی پابندی ضروری تھی اس لیے علماء دیوبند کا مسلک تمام متکلمین کی عظمت کے ساتھ امام

ابو منصور ماتریدی کا اتباع ہے لیکن یہاں بھی فقہ معین کی طرف کلام معین کی پابندی و اتباع کے ساتھ تحقیق کا سرا ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔ کلامی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ علماء دیوبند میں قاسمیت غالب ہے جو حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ، کی حکیمانہ تعلیمات سے ماخوذ ہے، حضرت اقدس نے اصول و مبانی اسلام کا اثبات کلام کا دائرہ میں رکھ کر کچھ ایسے حکیمانہ انداز فکر سے فرمایا ہے کہ سلف و خلف کے کلام میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی دستیاب ہوتی ہے پھر یہ عمیق علوم اور عقلی و حسی دلائل کچھ ایسے رنگ استدلال سے پیش فرمائے ہیں کہ مخالف اور منکر کو بھی ماننے کے سوا چارۂ کار بھی نہیں رہتا۔ ساتھ ہی ان مسائل کے اثبات میں حضرت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافات میں رد و قدح کی راہ اختیار نہیں فرمائی بلکہ رفع اختلاف اور تطبیق و توفیق کا راستہ اختیار فرمایا ہے جس سے کلامی مسائل کا بڑے سے بڑا اختلاف نزاع لفظی محسوس ہونے لگتا ہے اور سارے ہی متکلمین کی عظمت قلوب میں یکسانی کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے۔ شاید اسی بنا پر بعض اکابر دیوبند کلامی مسائل میں علماء دیوبند کو اشعری بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ جب وہ ماتریدی رہتے ہوئے بھی حضرت کی حکمت نظری کے تحت یا اشاعرہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں یا انہیں اپنے ساتھ کر لیتے ہیں تو اکثر اہم مسائل میں اختلاف کا سوال ہی قائم نہیں ہوتا، کہ اشعری اور ماتریدی کا فرق نظر آئے۔ البتہ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مذہب کیخلاف جنگ کرنیوالوں نے جہاں مقابلہ کے مختلف قسم کے ہتھیار استعمال کیے وہاں خصوصیت سے عقل کو اس مقابلہ میں زیادہ پیش پیش رکھا اور اسے خصوصیت سے مذہب کے مقابلہ میں ڈالا ہے۔

چنانچہ مخالفین دین و مذہب کے شکوک و شبہات کی طوالانی فہرست زیادہ تر اس عقل نارساہی سے پیدا شدہ ہے اس لیے علماء کو بھی ان کے جوابات میں کافی حد تک عقل سے مدد لینے کی ضرورت پیش آئی۔ حتی کہ اس کے لیے یہ

علم کلام کا ایک مستقل فن ہی وضع ہو گیا۔ اس لیے اسی فن میں عقل و نقل کا ایک خاص انداز کا سنگم ہو گیا اور قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ مذہب کے سلسلہ میں عقل و نقل میں نسبت اور توازن کیا ہے؟ آیا مذہب کے حق میں یہ دونوں مساوی رتبہ رکھتی ہیں یا متفاوت ہیں؟

اس کے جواب میں دو طبقے پیدا ہو گئے جو افراط تفریط کیساتھ ایک دوسرے کا رد عمل ہیں جس طبقہ کے ذہن پر فلسفیت کا بھوت سوار تھا اس نے عقل کا رتبہ نقل سے بڑھا کر اسے تقریباً" اصل کا مقام بخش دیا اور نقل کو ثانوی مرتبہ میں چھوڑ دیا' وہ اس وقت تک مذہبی احکام کو قابل قبول نہیں سمجھتے جب تک کہ عقل ان کے قابل قبول ہونے کا فتویٰ صادر نہ کر دے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس طبقہ کے نزدیک وحی عقل کی حکومت کے نیچے ہے معتزلہ اسی میں مارے گئے اور انہوں نے عقل پسندی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر کھلے طور پر عقل کے وحی پر حاکم ہونیکا اعلان کر دیا اور اس طرح اعتزال پسند طبقے اللہ تعالیٰ کی شانک علیمی و خبیری اور شان ہدایت و حاکمیت کا معاذ اللہ اپنی جزوی عقلوں کے تابع بنا دینے کی جسارت پر اتر آئے۔ فلاسفہ قدیم عقل پسندی سے کچھ اور آگے بڑھ کر عقل پرستی کے مقام پر پہنچ گئے اور انہوں نے عقل کو گویا اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت میں شریک کر کے شعقول عشرہ کو درجہ بدرجہ خالق کائنات کے درجہ میں پہنچا دیا۔ اور کھلے لفظوں میں خلق نہیں کہا تو بمنزلہ خالق ضرور قرار دے دیا۔ فلاسفہ عصر نے اس سے بھی چار قدم آگے ہو کر اس کمزور عقل کے بل بوتے پر سرے سے خدا کے وجود ہی کا انکار کر ڈالا اور ان کے نزدیک دین و مذہب ہی نہیں کائنات کی جزئی جزئی کا انصرام اور تکوین کا یہ سارا محکم نظام بھی عقل و طبع ہی کی کار فرمائی سے چل رہا ہے۔ ممکن ہے کہ فلاسفہ کا مولد و منشاء ابتداً میں استحرال ہی ہوا ہو۔ کیونکہ ان سارے مذاہب کا قدر مشترک عقل کو وحی پر فوقیت دینا اور اصل ثابت کرنا ہے جس کے روپ حسب زمانہ بدلتے رہے۔

اس کا رد عمل یہ ہوا کہ بعض اسلامی طبقات نے دین کے دائرہ میں سرے سے عقل کے عمل دخل ہی کی کلی ممانعت کر دی اور اسے مذہب کی حد تک مہمل و بیکار اور لایعنی شے قرار دیا اور صاف اعلان کیا کہ مذہب کو عقل یا معقولیت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی اس کے کسی حکم میں کوئی عقلی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ دین و مذہب محض ایک آزمائشی چیز ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اطاعت و بغاوت کو پرکھنا منظور ہے نہ کہ کسی معقولیت کے ساتھ انہیں شائستہ اور مہذب بنانا' جیسے کوئی آقا اپنے نوکر کو ایک پتھر اٹھا لانے یا جا کر ایک درخت کو ہاتھ سے چھو دینے کا امر کر دے کہ اس میں بجز نوکر کی آزمائش کے اور کوئی مصلحت نہ ہو۔ اس لیے اس کے اعمال میں کسی عقلی حسن و قبح کا کوئی وجود نہیں اگر ہے تو اس کے معنی صرف ثواب و عذاب کے استحقاق کے ہیں نہ کہ حکم یا عمل کی معقولیت کے۔

لیکن علماء دیوبند کا مسلک اس بارہ میں بھی وہی نقطہ اعتدال و جامعیت ہے۔ نہ تو وہ دین کے بارہ میں عقل کو مہمل اور دوراز کار سمجھتے ہیں جب کہ احکام کی عقلی مصلحتوں' کلی علتوں اور جامع حقیقتوں سے نصوص شرعیہ بھری پڑی ہیں اور جگہ جگہ اثبات مسائل' اجتہاد مسائل' استخراج احکام اور استنباط حقائق میں ان امور معقولہ کی تاثیر نمایاں ہے اور ان کی ضرورت ناقابل انکار ہے اور نہ ہی اسے اس درجہ مستقل مانتے ہیں کہ وہ وحی کے مقابلہ میں اصل یا خالق ٹھہر جائے یا ثواب و عقاب کا استحقاق بھی اسی کے فتویٰ پر دائر ہونے لگے پس علماء دیوبند دین میں عقل کو کار آمد سمجھتے ہیں لیکن حاکم یا موجد ثمرات و احکام نہیں سمجھتے وہ عقل کو اثبات عقائد و مسائل کا آلہ سمجھتے ہیں خود اس سے عقائد مسائل کا استفادہ نہیں کرتے وہ عقل سے نقل کو نہیں پرکھتے بلکہ نقل صحیح کو عقل کے صحت و سقم کے پرکھنے کی کسوٹی سمجھتے ہیں وہ عقل کو محسوسات کے ناپ تول کا ترازو سمجھتے ہیں۔ مغیبات کے ادراک کا آلہ اور حاسہ باور نہیں کرتے۔ اس لیے ان کے نزدیک دین و مذہب کی اصل وحی

خداوندی ہے اور اس کے اثبات کے خدام میں سے ایک خادم عقل بھی ہے۔ گو شریف ترین خادم ہے مگر حاکم کسی صورت میں بھی نہیں ہے۔

پس علماء دیوبند اس بارہ میں نہ فلسفی اور معتزلی ہیں اور نہ متقشف اور جامد۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کے طریق پر عقل کو کار آمد اور موثر مانتے ہیں لیکن بحیثیت خادم کے نہ بحیثیت حاکم کے ان کے نزدیک عقل دین میں تدبرو تفکر کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ مخفی حکمتوں اور حقائق کا سراغ لگایا جاتا ہے مگر حکمتیں اور حقیقتیں اس سے بنائی نہیں جاتیں۔ پس عقل واضح احکام نہیں، تابع احکام ہے۔ عقل سے استخراج کردہ حکمت بھی اگر احکام میں سے نکلتی ہے تو یہ حکم اس پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ وہ خود حکم پر مبنی ہوتی ہے۔ پس حکم خداوندی خود عقلیت و حکمت کا سرچشمہ ہے عقل و حکمت اسکا سرچشمہ نہیں۔ اس لیے عقل موضح احکام ہے موجد احکام نہیں، مدرک احکام ہے منشی احکام نہیں، جسکے ذرعہ مصالح شرعیہ کھلتی ہیں، بنتی نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ عقل وہی ہو سکتی ہے جو معرفت الٰہی اور فکر انجام میں غرق ہو اور ذکر خداوندی میں منہمک ہو۔ بے فکر اور بے ذکر عقل خادم دین ہونے کے منصب کی اہل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے اسی عقل کو لب کہا ہے جو محض صورتوں کی رنگینی میں الجھ کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس باطل میں سے حق نکال لیتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے کائنات ارض و سما کو پیش کرتے ہوئے اس میں سے قدرت الہیہ کی نشانیاں نکال لانیوالے اولوالالباب، اہل عقل کی تعریف کرتے ہوئے ان کے یہی دو وصف ذکر کیے ہیں 'ذکر' 'فکر' فرمایا۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموت والارض

"جو کہ یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے، اور لیٹے ہوئے، اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ مطلق عقل جس میں یہ دو وصف ذکر اور فکر نہ

ہوں دین سے بالا تر تو کیا ہوتی اس میں خادم دین بننے کی ہی صلاحیت نہیں اس لیے یہ ساری بحث لب میں ہے جو عقل معاد ہے، محض جنس عقل میں نہیں کہ وہ علی الاطلاق خادم دین ہی نہیں ہے۔

سیاست اور خلفاء

سیاسی اور اجتماعی امور میں شریعت نے زیادہ تر توسعات کو سامنے رکھا ہے کیونکہ سیاست ملکی تدابیر کے انصرام کا نام ہے اور تدبیر اور وسائل تدبیر کا رنگ ہر دور کے مناسب حال الگ الگ ہے اس لیے شریعت نے انکے بارہ میں اصول بیان کر دیے ہیں۔ مخصوص صورتوں پر زور نہیں دیا بلکہ مناسب موقعہ پر ان کی مخصوص صورتیں اہل تدبیر پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً امارت و خلافت کے لیے انتخاب اصلح کا اصول تو بیان کر دیا گیا لیکن انتخاب کی کوئی صورت ضروری قرار نہیں دی کہ وہ نامزدگی ہو یا عام انتخاب اور انتخاب میں اظہار رائے زبانی ہو یا تحریری، اور تحریری میں محضر نامے ہوں یا الگ الگ پرچیاں لی جائیں اور وہ انفرادی انداز سے لی جائیں یا اجتماعی صورت سے وغیرہ وغیرہ، بلکہ مصلحت وقت اور صاحب بصیرت ارباب حل و عقد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ یا مثلاً ملک و ملت کے مہلک فتنوں اور معاشرتی بدعنوانیوں کی مخصوص تعزیرات کا اصول حدود قائم کر کے تعزیرات اور سزاؤں یا دارو گیر کی صورتیں علاوہ حدود شرعیہ کے امام وقت اور امیر کی رائے پر چھوڑ دی گئی ہیں اس لیے اس سلسلہ میں اصول قرآن و سنت کی تفصیلات تو فقہ کی تشریحات سے اور خلفاء کے تعامل کا حدیث اور تاریخ سے پتہ چلایا جاتا ہے اب اگر امیر کا نصب العین دین اور اقامت دین ہے تو وہ اس مجموعہ سے صحیح راہ متعین کر سکتا ہے جس کی فکری اعانت کے لیے مجلس شوریٰ لازم کر دی گئی ہے اس بارہ میں علماء دیوبند کا مسلک امارت شورائیہ ہے جس کی مہمات اور تفصیلات کا عقلی و نقلی نقشہ حکمت ولی اللہی میں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے پیش فرما دیا

ہے جس میں اقترابات اور ارتقاقات کے دو عنوانوں کے نیچے ساری اسلامی سیاست اور اجتماعات منقح کر کے پیش فرمادیں اور سیاسی تشریح کی حکمتیں کھول دی ہیں۔ مسلمان خواہ برسراقتدار ہوں یا محکوم' اس حکمت کے اصول ہر جگہ مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ نے حکمت شرائع پر قلم اٹھایا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حکمت تشریع پر۔ اس لیے اسلام کا اجتماعی فکر تو علماء دیوبند کو حضرت شاہ ولی اللہؒ سے پہنچا اور کلامی فکر اور عقل و نقل کی آمیزش سے ایک جدید علم کلام کا ذوق انہیں حضرت بانی دارالعلوم سے ملا۔ جس سے مسلک میں جامعیت اور اجتماعیت کا پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔

بہرحال اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علماء دیوبند کے مسلک میں شخصیات کا مقام کیا ہے اور وہ اخلاقی طور پر ہر علم و فن اور ہر شعبہ دین کی اولامر ذوات قدسیہ اور علمی و دینی شخصیتوں کے بارہ میں کیا جذبات عظمت و محبت رکھتے ہیں۔ جو ان کے مسلک کا اہم ترین رکن ہے اور مسلک کا اولین رکن قانون و دستور اور اس دستور کے دینی شعبہ جات تھے خواہ وہ نظری ہوں یا عملی !(جن کی تفصیل گزر چکی ہے) کہ وہ سب کے سب واجب العقیدہ اور لازم العظمت ہیں اس لیے مسلک کے دونوں بنیادی رکن بالتفصیل سامنے آ گئے ہیں جس سے حدیث ما انا علیہ و اصحابی کے تحت "ما" اور "انا" کی کافی تشریح ہو گئی جس سے یہ بنیادی مسلک ماخوذ ہے۔

اس مرکب اصول کی روشنی میں مسلک کا ایک اور اہم ترین جزو خود بخود حل ہو جاتا ہے اور وہ نصوص شرعیہ کی مرادات سمجھنے اور متعین کرنے کا اصول ہے اور اس سوال کا خاطر خواہ حل ہے کہ علماء دیوبند کا مسلک فہم مرادات ربانی اور تعین مرادات نبویؐ میں کیا ہے اور وہ کن اصول سے یہ متعین کرتا ہے کہ فلاں آیت یا فلاں روایت سے اللہ و رسولؐ نے فلاں مطلب کا ارادہ کیا ہے کیونکہ فہم مراد کے سلسلہ میں جبکہ مختلف مذاق اور طریقے پیدا ہو گئے ہیں جن میں اصل اور حقیقی طریقہ مل کر فی زمانہ کچھ غیر اور

متعارف بلکہ ناقابل توجہ ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک طریقہ مجرد رائے ہے کہ کتاب و سنت کے کاغذ و حروف سامنے رکھ کر اپنے ذہن کی مدد سے مراد کے بارہ میں رائے قائم کرلیجائے۔ ایک لغت عرب ہے کہ اس کے محاورات اور اسالیب کلام کو سامنے رکھ کر زبان دانی اور ادبیت کے بل بوتے پر مراد الٰہی کا تعین کیا جائے ایک عام مسلمانوں کا پڑا ہوا راستہ اور عمل کا ڈھنگ یا دین کے بارہ میں چلا ہوا رواج سامنے رکھ کر قرآن و حدیث کو اس پر ڈھالا جائے اور نصوص کا وہی مطلب لے لیا جائے جو ان رواجوں کی روشنی میں مفہوم ہوتا ہو۔ ایک طریقہ بزرگوں کی روایات و حکایات کا ہے کہ ان کے ذریعہ قرآنی اور حدیثی مرادیں متعین کی جائیں۔ ایک طریقہ تقاضاء وقت ہے کہ وقت کی روش اور حالات زمانہ جن نظریات کا تقاضا کریں انہیں کو فہم مراد کے لیے مشعل راہ بنا لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

غرض ان میں سے ہر ایک طریقہ ذہن کو ایک خاص رخ پر لگا دیتا ہے اور اسی رخ سے آدمی ہر ایک بات سمجھتا ہے۔ پس اصل چیز ذہنیت اور ذوق ہے اور وہی ذوق فہم کا ظرف ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کا مسلک اس بارہ میں کیا ہے اور اس کا ذوق و ذہن جسے وہ بنانے اور اپنے رخ پر لگانے کی سعی کرتا ہے' کیا ہے؟

یہ سوال اصول مذکورہ کی روشنی میں حل ہو جاتا ہے کہ علماء دیوبند کے مسلک پر فہم مراد کا طریقہ نہ خود رائی ہے نہ ادبیت ہے نہ رسم و رواج ہے نہ افسانہ و حکایت ہے اور نہ نظریات زمانہ ہیں۔ بلکہ تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے وہی دو بنیادی رکن ہیں' ایک کتاب و سنت اور ایک روشن ضمیر مربی و استاد۔ اور اس کے ساتھ دو شرطیں' ایک استناد اور ایک تربیت یافتہ ذہنیت۔

جیسا کہ حضور سے صحابہؓ نے اور صحابہ سے تابعینؒ نے تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے اور پھر ان سے قرون مابعد نے سلسلہ بہ سلسلہ کابراً عن کابر ااستناد کے ساتھ کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی اور فہم قرآن و حدیث میں ان کی

تربیت سے وہ متوارث ذوق حاصل کیا جو اوپر والوں کا تھا اور وہی سلف سے خلف تک توارث کے ساتھ آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اور اس ذوق اور تیار کردہ ذہن میں وہ منقولہ مرادیں جو اللہ سے رسولؐ تک رسولؐ سے صحابہؓ تک، صحابہؓ سے تابعینؒ تک، تابعینؒ سے تابعینؒ تک اور تبع تابعینؒ سے آج کے دور تک سند کے ساتھ آئیں، ڈالی جاتی رہیں اور ڈالی جا رہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ذہن کے لیے یہ رنگ گیری اور انصباغ اور یہ منقولہ، مرادات کا واسطہ در واسطہ القاء محض کاغذ یا مطالعہ محض یا رواج یا ہنگامی حالات یا وقتی نظر و فکر یا لغت و ادب یا افسانوں اور کہانیوں سے دلوں میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ صاحب ذوق شخصیتوں کی تربیت و تدریب اور صحبت اور ملازمت میسر نہ ہو کیونکہ کلام کی بہت سی خصوصیات لب و لہجہ، طرز و ادا اور طریق تکلم اور ہیئت متکلم سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیات کلام اور ہیئتیں کاغذ پر مرتسم نہیں ہو سکتیں۔ پھر مراد کے تعین میں اوپر والوں کا طرز عمل اور نمونہ عمل بھی کافی دخیل ہے، ظاہر ہے کہ عمل کا یہ نقشہ بھی کاغذ اور کالے نقوش میں نہیں سما سکتا۔ مزید یہ کہ دلوں میں ایمانی حرارت کی کیفیات اور عشق و محبت کے جذبات جو اپنے جذب و کشش سے اتباع حق پر ابھارتے ہیں دلوں ہی سے دلوں میں آ سکتے ہیں کاغذ اور سیاہ حروف کے راستے، یا کسی اور طریقہ سے منتقل نہیں ہو سکتے اور جبکہ ان سب چیزوں کو تعین مراد میں عظیم دخل ہے بلکہ فہم مرادان پر موقوف ہے اور ان کا تعلق صرف صاحب ذوق صاحب عمل اور صاحب طرز شخصیتوں سے ہے کاغذ سے نہیں۔ تو محض کاغذ یا محض صوت یا محظ صورت تعین مراد کیسے کافی ہو سکتی ہے۔ جب تک کہ اس کے ساتھ ان قلبی شخصیتوں کی قلبی کیفیات شامل نہ ہوں جو شخصیتوں کی محض لقاء ملاقات سے نہیں بلکہ طویل صحبت اور معیت اور ملازمت کے ذریعہ ہی قلب میں آ سکتی ہیں اس لیے جو طبقہ ان سارے شخصیاتی موثرات سے کٹ کر محض کاغذ اور لٹریچر کا ہو رہا ہو وہ صرف اپنے ہی ناتربیت یافتہ نفس

اور اپنے ہی خود روذہن کے آزاد تخیلات اور مجرو رائے سے مرادات خداوندی کو سمجھنے کی کوشش کریگا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خود اس کا اپنا مفہوم اور خود اس کی اپنی ہی مراد ہو گی' خدا کی مراد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ فہم مراد نہ ہو گا وہم مراد ہو گا۔ اور مزید برآں ایک تلبیس بھی ہو گی کہ اپنے ذہنی تخیلات کو خدا کے الفاظ کی طرف منسوب کر کے خدا کی مراد ظاہر کیا جائے۔
اس لیے فہم مراد میں کتاب اللہ کے ساتھ ربانی شخصیتوں اور ان کے ذہنی تصرفات کا ہونا ناگزیر ہے۔ ہاں پھر اسی طرح جو کتاب و سنت سے بے نیاز ہو کر محض شخصیتوں اور ذوات کے پیچھے ہو لیا وہ ان کے ذاتی اور منصبی اقوال میں فرق نہیں کر سکے گا جبکہ قانون کی تعبیر اور عبارت نص ہی اس کے سامنے نہیں جو ذات محض کے احوال اور منصبی تقاضوں میں فرق نمایاں کرتی ہے۔
اس لیے جیسے علماء دیوبند کا اصل مسلک قانون اور شخصیت سے مرکب تھا ایسے ہی ان کا تفہیمی مسلک اور فہم مراد کا راستہ بھی انہی دو چیزوں سے مرکب ہے کتاب اور استاد' اور ان کے ساتھ استناد اور تربیت ذہن و ذوق وہ کتاب سے دین کی متعینہ تعبیر لیتے ہیں اور شخصیتوں سے ان تعبیروں کے معانی و مرادات اخذ کرتے ہیں۔ استناد سے ان کا رابطہ ذات نبویؐ سے قائم کرتے ہیں اور تربیت سے ذہن کو زیغ سے بچا کر اخذ مراد کی استقامت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو رکن بھی گر جائے گا فہم مراد کی عمارت میں اتنا ہی نقص اور کھوٹ پیدا ہو جائے گا جس سے وہ غیر معتبر ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ ہدایت و ضلالت کے معیار سے اگر دنیا کی تاریخ کو دیکھا جائے تو گمراہ قومیں گمراہ ہی اس وقت ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے فہم دین میں ان دونوں بنیادوں کتاب و استاد اور دین و مربی دین کو کلیتہ" ترک کر دیا یا ان میں سے کسی ایک پر قناعت کر کے دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو نتیجہ" انہیں دونوں ہی سے ہاتھ دھونا پڑا ہے کیونکہ مربی کے بغیر تو کتاب کا فہم صحیح میسر نہیں ہوتا بلکہ نرا وہم رہ جاتا ہے جبکہ کتاب کا مفہوم متعین کرنے میں نفس امام ہوتا ہے اور وہ شخصیت کے بغیر نا

تربیت یافتہ اور زیغ زدہ ہے تو تعین مراد کے سلسلہ میں مراد نفس رہ جاتی ہے۔ مراد خداوندی سامنے ہی نہیں آتی اور کتاب اور اس کی تعبیر متعین کے بغیر دین خالص نہیں رہتا جبکہ اس میں تعبیر خداوندی کے بجائے محض مربیوں کی تعبیر رہ جاتی ہے، جن کے راستے سے ان کے ذاتی احوال و اقوال اور منصبی احوال و اقوال میں خلط ملط ہو کر دین، غیر دین کے ساتھ رل مل کر مشتبہ ہو جاتا ہے اور غیر دین کو دین سمجھتے رہنے سے بدعات و محدثات کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے فہم کے بجائے وہم اور فرقان و امتیاز کی جگہ جو حقیقت علم و فہم ہے التباس و تلبیس کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح دین خالص باقی نہیں رہ سکتا۔ پہلی قوم میں جو کتاب کے کاغذوں اور نقوش پر قناعت کرتی ہے، اتباع شخصیات نہ رہنے سے خودی، خود فہمی اور خود رائی کا غرور و گھمنڈ پیدا ہو کر قوم کو متکبر، جامد اور ہٹ دھرم بنا دیتا ہے اور دوسری قوم میں جو مربیوں کی شخصیتوں پر قناعت کرتی ہے۔ علم کتاب نہ رہنے بے خودی اور شخصیت پرستی کی ذلت و پستی پیدا ہو کر قوم کو شرک و تذلل کا روگ لگ کر قوم کو مبتدع اور مخلوق پرست بنا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین ان میں سے کسی صورت بھی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ امم سابقہ میں سے یہود کی قوم کتاب بلا شخصیت پر عمل کر کے استکبار و جحود اور کج فہمی کا شکار ہوئی اور نصاریٰ کی قوم شخصیت بلا کتاب پر قناعت کر کے شخصیت پرستی اور شرک و بدعات میں گرفتار ہوئی۔ یہود میں علمی فتنہ نے سر ابھارا جس سے ان کا فہم وہم سے بدل گیا اور معلومات کے بجائے توہمات رہ گئے۔ اور نصاریٰ میں عملی فتنہ نمایاں ہوا جس سے ان کا عمل رسوم محض کے ضلال سے بدل گیا اور جاہلانہ طور طریق میں تبدیل ہو گیا۔ پہلی قوم شخصیتوں سے منقطع ہو کر ان سے بیزار اور غرور و استکبار سے جب انکی دشمنی بنی تو انبیاءؑ و اولیاءؒ اور احبار و رہبان کو جھٹلایا بھی اور قتل بھی کیا اور دوسری قوم کتاب اور علم سے منقطع ہو کر بے وقار ہوئی تو اتنی کہ اس نے شخصیتوں کے سامنے راہ تذلیل اختیار کر کے انبیاء

اولیاء و احبار و رہبان کو اپنا رب بنالیا۔ پہلی قوم علمی فتنہ میں گر کر شبہات کا شکار ہوئی اور دوسری قوم عملی فتنہ میں گھر کر شہوات میں گرفتار ہوئی۔

پہلی کو قرآن نے مغضوب کہا کہ وہ جاحد و متکبر ہو گئی تھی اور دوسری کو ضال کہا کہ وہ ذلت نفس میں مبتلا ہو کر مخلوق پرست ہو گئی تھی۔ پہلی قوم منکر اور باغی بنی اور دوسری قوم مبتدع اور مشرک ہو گئی جس سے انکا علم بھی گیا اور عمل بھی۔ جس کی بنیاد وہی فہم مراد کے دو رکنوں میں سے ایک کا چھوڑ دینا تھا جس کا انجام یہ نکلا کہ دونوں رکن ہاتھ سے گئے' نہ کتاب رہی نہ شخصیت۔ پہلی قوم کے بارہ میں قرآن نے کہا۔

کلما جاء هم رسول بما لا تهوىٰ انفسهم فريقاً كذبو و فريقا" يقتلون

"جب بھی آیا انکے پاس کوئی رسول لے کر اس حکم کو جسے نہ چاہتے تھے دل ان کے تو ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔"

اور دوسری قوم کے بارے میں فرمایا کہ

اتخذو احبارهم و رهبانهم اربابًا من دون الله والمسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدو والها" واحد"ا

"بنالیا ہے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب' اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح ابن مریم کو۔ حالانکہ ان کو یہ حکم تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں۔"

امت مسلمہ میں دونوں کی نظیریں موجود ہیں' ایک طبقہ کتاب و سنت کے نام پر قناعت کر کے اتباع سلف اور احترام خلف سے نہ صرف بے نیاز بلکہ ان کے بارہ میں گستاخ و بے ادب اور بدگمان و بدزبان ہے اور ایک شخصیتوں اور اولیاء امت کی ذوات پر قناعت کر کے کتاب و سنت اور ان سے اپنا دستور حیات اخذ کرنے سے بے تعلق بلکہ بعض اوقات کتاب اللہ کے بارے میں یہ

کہنے سے بھی نہیں جھجکتا کہ کتاب ساکت ہے اور یہ اولیاء کی شخصیتیں کتاب ناطق ہیں۔ ہمارے لیے یہ کتاب ناطق کافی ہے۔ پہلا طبقہ یہود کی طرف علمی غرور و گھمنڈ اور استکبار میں مبتلا ہے اور دوسرا طبقہ نصاریٰ کی طرح عملی تزلزل اور بدعات و محدثات میں پھنسا ہوا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا تھا کہ

"جو شخص ہمارے علماء میں سے بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہے اور جو ہمارے درویشوں میں سے گمراہ ہوا وہ نصاریٰ کے ساتھ ملتا ہے۔"

پس اسلام کے بے راہ رو طبقوں میں بھی گمراہی کی یہی دو بنیادیں ثابت ہوئیں بعض نے کتاب و سنت کا نام لے کر سلف کا اتباع و احترام ہاتھ سے دیدیا اور بعض نے شخصیتوں اور بزرگان دین کی عظمت کا نام لے کر کتاب و سنت اور سنن نبویؐ کے طریقہ کو خیرباد کہہ دیا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ابتدائے عالم بشریت سے تا قیام قیامت انسانی ہدایت و تربیت کو انہی دو حدود (کتاب اور استاد) سے محدود رکھا اور ہر دور میں کتب سماویہ کے ساتھ تو انبیاء کی شخصیتیں بھیجی جاتی ہیں۔ اور انبیاءؑ کے ساتھ کتابیں اتاری جاتی رہیں۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط

"البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبر معجزات کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کیا تاکہ لوگ عدل و انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔"

اور اسی لیے انبیاء کرامؑ اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنے ترکہ میں جہاں علم و معرفت اور قوانین ہدایت کی کتاب چھوڑی وہیں ان کے حقیقی ظروف اور وسائل تعلیم و تربیت علماء و خلفاء بھی چھوڑے۔ ایک طرف فرمایا

ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا بعدی ابدا ان تمسکتم بهما کتاب اللّٰہ و سنتی و فی روایة کتاب اللّٰہ و عترتی (ابن جہ)

"تمہارے اندر دو اہم اور بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر ان دونوں کے ساتھ تمسک کیا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ' اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔" اور ایک روایت ہے کہ اللہ کی کتاب اور اپنی آل عترت۔"

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تاويل الجاهلين (مشکوۃ)

"اس علم کو پچھلوں میں سے ان کے نیک لوگ حاصل کریں گے جو کہ غالی لوگوں کی تحریف اور اہل باطل کی تلبیس اور جاہلوں کی غلط تاویل کو رد کریں گے۔"

اور ان ہی دو حدیثوں میں انہیں ابدی اور دائمی فرمایا جس سے واضح ہے کہ کتاب اور اخلاف کے یہ دونوں سلسلے تاقیام قیامت قائم رہیں گے اور اس طرح اسلام میں ایک فرقہ حقہ کا وجود دواما" باقی رہے گا۔ چنانچہ ہر دور میں اخلاف رشید نے بھی جیسے اپنے خلفاء اور اخلاف عدول چھوڑے وہیں ان کے ساتھ کتب رشد و ہدایت بھی چھوڑیں۔ پس کوئی دور نہ کتاب محض کا آیا کہ اس کے ساتھ معلم کتاب شخصیت نہ ہو' اور نہ کوئی دور شخصیت محض کا آیا اس کے ساتھ کتاب اور قانون نہ ہو کہ اس کے بغیر دین اور ایوان دین کی اپنے اصلی رنگ میں بقاء و تحفظ کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اس لیے علماء دیوبند نے اپنے تعلیمی و تربیتی مسلک میں فہم نصوص کے لیے کتاب و شخصیت کا یہ مسلوک و متوارث مرکب طریقہ اختیار کیا جس میں علم و مربی دین' قانون اور معلم قانون' راہی اور راہنما اور شیوخ برابر کے دو رکن رہیں تاکہ ان کا فہم وہم سے اور استقامت زلیغ سے بچا رہے اور ان کا عمل و اتباع شرک و بدعت سے محفوظ رہے۔ پھر اسی اصول سے مسلک کا ایک اور اہم حصہ بھی واضح ہو جاتا ہے جو اسی پر متفرع ہے اور اس میں بھی اسی جامعیت و اعتدال کا عنصر غالب ہے جو اس کے مجموعی مسلک میں نمایاں ہے اور وہ نصوص شرعیہ سے استدلال کا مسئلہ ہے جو فی زمانہ کافی الجھ گیا ہے جس میں افراط و تفریط کا کافی

دخل ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب و سنت کے ظواہر اور بواطن دونوں ہی وجوہ استدلال ہیں ان میں سے کسی ایک پر قناعت نہیں کی گئی ہے۔ وہ جیسے کتاب و سنت کے الفاظ و تعبیرات بلاکم و کاست اختیار کیے ہوئے ہے ویسے ہی ان کے اندرونی معانی اور گہرے مطالب و حقائق کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہے جن کا ذوق اسے شیوخ علم صحبت وفیضان سے میسر ہے اس لیے وہ نصوص کے ظواہر اور بواطن دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہے نہ وہ اصحاب ظواہر میں سے ہے جو الفاظ نصوص پر جامد ہو کر رہ جائے اور بواطن نصوص یا ان کی حقائق سے بے نیاز ہو جائے اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہے کہ شرعی تعبیرات کی اس کی یہاں کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور ذہنی گھمیر میں گم ہو کر رہ جائے پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی و مدلولات کے خود اپنے نظم و عبارت کے لحاظ سے بھی ہزارہا علوم و احکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت دلالت اشارت اور فقہاء سے ہزارہا مسائل وجودہ پزیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ و بہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے معانی نہ صرف لفظی اور معنوی مدلول کی حد تک ہی علوم کے حاصل ہیں بلکہ ان معانی کے پردوں میں بھی اور ہزارہا معانی و حقائق مستور ہیں جو قواعد شرعیہ اور قواعد عربیت کے ساتھ عمل صالح کی مداومت اور صلحاء کی صحبت و معیت کے فیضان ہی سے قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔ ؎

حرف حرفش راست اندر معنی
معنی در معنی در معنی

اس لیے علماء دیوبند کا مسلک استدلال کے دائرہ میں نصوص کے ظواہر و بواطن دونوں کو جمع رکھ کر دونوں ہی کا علمی حق ادا کرنا ہے اور ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی ظاہریہ یا باطنیہ کے انداز سے نظرانداز کرنا نہیں۔ تاکہ نصوص کا ظاہری علم بھی قائم رہے اور باطنی معرفت بھی برقرار رہے اور پھر اس جامع ظاہر اور باطن مسلک سے ایسے جامع لوگ بنتے رہیں جو عالم باللہ بھی ہوں اور

عالم بامر اللہ بھی ثابت ہوں اس لیے اس کا افادہ عمومی اور ہمہ گیر اور نفع عام ہے کیونکہ ان کے مسلک میں جیسے روایت کے سلسلہ سے منصوصات قرآنی و حدیثی اور نصوص فقہیہ کو ان کے صحیح مدلول اور معانی کے ساتھ قوم تک پہنچانا ضروری ہے کہ اس کے بغیر دین قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص جبکہ شریعت کا مدار بھی ظاہری احکام پر ہے جس کے معیار سے مواخذہ گرفت ہوتی ہے ویسے ہی درایت کے راستوں سے ان منصوص معانی کے حقائق و اسرار اور علل و حکم سے بھی قوم کو مستفید کرنا ضروری ہے جن کی وسعتوں اور گنجائشوں کی بدولت ہی ہر دور کی قومی نفسیات اور وقت کی مقتضیات کی رعایت ممکن ہے تاکہ فتنہ کے زمانہ میں جبکہ دین کے اصول ہی کا سنبھالنا بھاری ہو رہا ہو اور ظواہر پر جمود محض اور جزئی جزئی کی سخت گیر پابندیوں سے نفس دین ہی سے قوم کے بیزار ہو جانیکا اندیشہ لاحق ہو تو مربیان نفوس ان وسعتوں سے قوم کو تھام سکیں اور رفتہ رفتہ ان پابندیوں پر حکمت کے ساتھ لے آئیں اور انہیں دائرہ دین سے باہر نہ نکلنے دیں۔

پس جیسے علماء دیوبند کے مسلک میں جزئی جزئی پر خواہ وہ فقہی ہوں یا حدیثی اور قرآنی تصلب اور جماؤ ضروری ہے ویسے ہی دین کی اندرونی وسعتوں اور گنجائشوں سے ممکنہ حد تک قوم کو گنجائش دینا اور عوام کے حق میں تشدد اور سخت گیر پالیسی سے بچتے رہنا بھی ضروری ہے ورنہ دین کی کلیاتی گنجائشیں اور رخصتیں جن کا تعلق بہت حد تک دین کے باطنی حصہ ہی سے ہے کالعدم ہو کر رہ جائیں گی۔

بہرحال علماء دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکام ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اسکی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیات وقت سے قطع اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیات وقت سے قطع کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ علماء دیوبند کا یہی وہ

جامع اور معتدل مسلک ہے جو ان اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے مسلوک طریقہ پر ان کے علمی مورث اعلیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ اور بانی دار لعلوم حضرت حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ اور اس کے سرپرست اعظم، قطب وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم و تربیت دیکر رواں دواں کر رہے ہیں۔ اس لیے اب اس جامع اور معتدل مسلک کا اصطلاحی الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ علماء دیوبند دینا" مسلم ہیں۔ فرقہ اہلسنّت والجماعت ہیں مذہبا" حنفی ہیں مشربا" صوفی ہیں کلاما" ماتریدی ہیں سلوکا چشتی بلکہ جامع سلاسل ہیں۔ فکرا" ولی اللہی ہیں۔ اصولاً قاسمی ہیں۔ فروعاً رشیدی ہیں اور نسبتہ" دیوبندی ہیں۔ والحمد للہ علی ھذہ الجامعیۃ

علماء دیوبند کا نقطۂ آغاز

علماء دیوبند کا نقطہ آغاز دار العلوم دیوبند سے ہے۔ اسی کی تعلیمات اور طرز عمل سے یہ مسلک تعلیمی رنگ سے ہندوستان میں پھیلا اور علماء دیوبند کے نام سے سوم ہوا اس لیے ضرورت ہے کہ ہم دار العلوم کے وہ مقاصد جو اس کے مقدس بانی اور ربانی کے رفقاء کار اہل اللہ کے طرز عمل اور عملی تعلیم سے نمایاں ہوئے پیش کر دیں تاکہ یہ مسلک نظری طور پر ہی نہیں عملی انداز سے بھی سب کے سامنے آجائے۔

اس مسلک کے لحاظ سے اگر دار العلوم کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو اس کے اسلاف اور موسسین صرف مدعیان مسلک ہی نہ تھے بلکہ مسلک کا عملی نمونہ بھی تھے۔ اور بالخصوص حضرت بانی دار العلوم قدس سرہٗ مسلک کے ان نظری اور عملی پہلوؤں کا مجسم پیکر تھے۔ گویا اس مسلک جامع کو اگر مجسم کہا جائے تو حضرت نانوتوی ؒ کی ذات بن جاتی ہے جس کے قول و عمل سے

نہ صرف اس مسلک کے سارے گوشے واشگاف ہوئے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی بناء اغراض و مقاصد بھی اس مسلک کی روشنی میں مشخص ہوئے جو حضرت کے ذہن مبارک میں منجاب اللہ ودیعت کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک مسلکی اجزاء کو تحریروں میں منضبط اور مدون کرنیکی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ ان بزرگوں کا عمل اور تعامل مابعد ہی مسلک کی صورت آنکھوں کے سامنے پیش کرتا رہا اور جماعت دیوبند اس پر گامزن رہی۔ یعنی مسلک مجسم صورت میں سامنے رہا اس لیے اسکی عملی صورت کی طرف ذہنوں کی توجہ منعطف نہ ہوئی جیسا کہ دور نبویؐ کا طرز عمل صحابہؓ کی مجسم صورتوں سے نمایاں اور منطوی اور لپٹا ہوا تھا۔ ان حضرات کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بہت سے وہ امور جو سینوں کی امانت تھے سینوں سے سفینوں میں بھی منتقل کیے گئے۔ ورنہ بعالم اسباب طریق نبوت اور طریق صحابیت کے دنیا سے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ یہی صورت مسلک علماء دیوبند کی بھی تھی کہ اس کے ابتدائی دور میں وہ اکابر کے عمل میں محفوظ اور سینوں میں جاگزین تھا اور شخصیتوں کو دیکھ کر اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرتا رہتا تھا لیکن مسلک کے اسی سابقہ اور مرکب اصول کی رو سے شخصیتیں کتنی بھی موقر ہوں جب تک ان کے بعد کے لیے مسلک کی کوئی منضبط تعبیر بقید تحریر نہ ہو بعد والوں کے لیے مسلک کا کوئی معیار قائم نہیں ہوتا جس کی رو سے مسلکی انسان کا تخطیہ یا تصویب کیا جاسکے۔ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ اسے ابتدائی سرچشمہ (دور نبوت) سے لیکر موسسین دارالعلوم کے دور تک تسلسل کو سامنے رکھ کر منضبط کیا جائے جس کا یہ اجمالی اور مختصر خاکہ عرض کیا گیا۔ اب ضرورت اس کی رہ جاتی ہے کہ جیسے علماء دیوبند کے اس مسلک کو اصول کو روشنی میں عرض کیا گیا اور اس کے نظری اور عملی اجزاء کی اصولی اور سلسلہ واری تفصیل پیش کی گئی ایسے ہی اسکے بارہ میں بانی دارالعلوم کے عمل سے بھی اس کا نقشہ سامنے کردیا جائے کہ جس کے ساتھ اس دور کے وہ اکابر و اسلاف وابستہ رہے ہیں جو

حضرت بانی کے رفقاء کار اور تاسیس دارالعلوم میں معین و مددگار تھے تاکہ یہ مسلک جس طرح اوپر سے جامعیت کے ساتھ مو سسین درالعلوم تک پہنچا اس طرح اس کا ان بزرگوں کے عمل کی لائنوں سے چلتا ہوا ہونا بھی واضح ہو جائے۔ سورہ یہ ہے کہ:۔

اولاً: حضرت بانی اعظم نے دارالعلوم کی بنیاد رکھ کر درس و تدریس اور تعلیم کا آغاز کرایا اور خود بھی چھتہ کی مسجد میں جو اس دارالعلوم کا نقطہ آغاز ہے درس شروع فرمایا جو اس مسلک کا عنصر غالب تھا اور پھر ان کے تلامذہ میں خصوصیت سے علوم دینیہ حدیث و قرآن' فقہ و تصوف اور حکمت و کلام وغیرہ کے ایسے دو امام تیار ہوئے جو یکے بعد دیگرے دارالعلوم کے صدر مدرسین بنائے گئے یعنی عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ جن سے اولاً دارالعلوم کے احاطہ میں ان تمام دینی شعبوں کا سلسلہ پھیلا جن کی تفصیل مسلک کے اولین رکن کے ذیل میں عرض کی جا چکی ہے۔ پھر حضرت نے اس سلسلہ کو مدرسہ دیوبند کے قیام تاسیس ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ تاسیس دارالعلوم کے بعد جگہ جگہ خود بھی مدارس دینیہ قائم کیے اور اپنے متعلقین کو بھیج کر نیز خطوط کے ذریعہ فہمائش کر کر کے جگہ جگہ مدارس قائم کرائے جس سے تعلیم ین کا ملک میں ایک جال پھیل گیا۔ حضرت بانی کے اس عمل سے واضح ہوا کہ کتاب و سنت اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کی تعلیم و تدریس اور اس کے ساتھ اس کے عام بنانے کے لیے قیام مدارس و مکاتب کی تحریک علماء دیوبند کا اہم ترین اور بنیادی مقصد تھا جو بانی دارالعلوم کے عمل سے مشخص ہوا

دوسرے: اسی مسجد چھتہ میں جو دارالعلوم کا نقطہ آغاز اور حضرت بانی قدس سرہٗ کی قیامگاہ تھی حضرت نے حلقہ ارشاد تلقین قائم فرمایا جس میں یہی اعضاء و اجزائے درالعلوم شریک ہوئے اور حضرت کے روحانی توجہ تصرف سے ان

کی باطنی تربیت کی جاتی تھی۔ اس لیے حضرت بانی ہی کے عمل سے علماء دیو بند کا دوسرا بنیادی مقصد تربیت باطنی اور تزکیہ نفس بھی مشخص ہوا۔

تیسرے: اسی درالعلوم کے احاطہ میں حضرت باقی قدس سرہٗ نے محکمہ قضاء قائم فرما کر صدر المدرسین دار لعلوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو اس کا قاضی مقرر فرمایا جس سے ہزار الجھے ہوئے مقدمات شرعی انداز سے فیصل ہونے لگے اور اسلامی عدلیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے لگا جو حکومت کا ایک اساسی شعبہ ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ قیام دار العلوم کا مقصد مسلمانوں کے پرسنل لاء کا تحفظ اور تعمیری رنگ میں اس کا عملی اجراء و نفاذ بھی تھا جو عمل میں لایا جانے لگا۔

چوتھے: اسی دار العلوم کے احاطہ میں حضرت بانیؒ نے طلبہ کو گدکا' نبوٹ اور لاٹھی وغیرہ چلانے کی مشقیں بھی شروع کرائیں جس سے واضح ہوا کہ دار العلوم کے فضلاء اور منتسبین میں فن سپاہ گری اور مجاہدانہ اسپرٹ کا محفوظ رکھنا بھی دار العلوم کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا جو سیاست کا اساسی شعبہ ہے گو مخالفین کی طرف سے اس پر اعتراضات بھی کیے گئے اور کرائے گئے کہ یہ مدرسہ عربیہ کہاں رہا' مدرسہ حربیہ ہو گیا۔ مگر حضرت نے اس کی پرواہ نہیں کی۔

پانچویں: عیسائی مشنریوں' آریوں اور دوسرے فرق باطلہ کی اسلام کے بارہ میں شکوک اندازی' الزام تراشی اور متعصبانہ اعتراضات کے جواب میں جا بجا مدافعانہ اور مناظرانہ تقریروں کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اور ساتھ ہی محققانہ مواعظ و خطبات اور تذکیر و اصلاح کا آغاز بھی کیا۔ دیو بند اور بیرون دیو بند میں تذکیری خطبات دیے۔ بیرون جات کے سفر خود بھی کیے اور اپنے تلامذہ سے بھی کرائے جس سے یہ اصلاحی سلسلہ پھیلتا اور بڑھتا رہا اور جس کا مرکز

دارالعلوم رہا۔

خصوصیت سے مقامی لوگوں کی اصلاح میں حضرت نے اصلاح معاشرۃ کی طرف زیادہ توجہ فرمائی کیونکہ دیوبند کی برادری عموماً" رسوم جہالت میں مبتلا تھی۔ نکاح بیوگان جاری فرمایا جسے یہاں پر انتہائی مذموم سمجھا جاتا تھا کہ اس کا نام بھی آنے سے تلواریں کھنچ جاتی تھیں۔ شرفاء کی عورتوں سے ہندوانہ لباس ترک کرایا جو یہاں کی عام معاشرت تھی۔ مسجدوں میں سے تعزیے نکلوائے جو محرم میں تقریباً" ہر مسجد سے اٹھائے جاتے تھے۔ شادی و غمی کی مسرفانہ رسوم کی اصلاح فرمائی' بھاتی' تیجہ' دسواں' چہلم وغیرہ کی رسمیں ختم کرائیں۔ غرض مقامی لوگوں کو اسلامی معاشرت کے راستہ پر ڈالا۔ تقریر و تذکیر سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر برادریوں کے سربر آوردہ اور ذمہ دار قسم کے لوگوں کو سمجھا سمجھا کر ان سے تحریری معاہدے کرائے' دستخط لیے اور حسن معاشرت کو ان میں اس طرح چالو کیا کہ جس سے واضح ہو کہ تذکیر و موعظت مسلمانوں سے اصلاحی رابطہ اور خصوصیت سے ان کی معاشرتی اصلاح بھی علماء دیوبند کے بنیادی اغراض و مقاصد میں شامل تھی۔

چھٹے: حضرت نے دیوبند کے شیوخ میں سنیت اور سنی مذاق رائج کرنے کی جدوجہد فرمائی۔ کیونکہ یہاں کے شیوخ میں عموماً" تفضیلیت کے اثرات رچے ہوئے تھے گو وہ شیعہ نہ تھے مگر ناموں اور کاموں میں شیعیت کے آثار سے کافی متاثر تھے اور کم سے کم تفضیلیت کا اثر اکثر و بیشتر بے لکھے پڑھے طبقہ میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ حضرت نے اسے زائل فرمایا۔ اس بارہ میں حضرت کا مقولہ بزرگوں کے واسطہ سے سننے میں آیا کہ "پہلے میں دیوبند والوں کا ہو گیا پھر انہیں میں نے اپنا کیا ہے۔" اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ "ہم ان کا (حضرت نانوتوی) خلاف یوں بھی نہیں کر سکتے کہ ہماری اولاد تک تو سب ان کے قبضے میں جا چکی ہے۔" اشارہ عمومی

اثرات کی طرف تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ اصلاح کا سلسلہ حضرت نے عوام سے نہیں بلکہ خواص سے شروع فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عوام کی عملی اصلاح فرمائی اور خواص کی نظری۔ اس لیے دارالعلوم کے مقاصد اور پروگرام میں فکر و عمل دونوں کی اصلاح شامل نکلی۔

ساتویں: حضرت بانی نے اپنی آخری عمر میں یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ کاش میں انگریزی پڑھتا اور یورپ جا کر مدعیان حکمت فرنگ کو بتلاتا کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ جو انبیاء کرامؑ کے قلوب سے نکل کر روشن سینوں میں اتری ہے۔ اور یہ کہ عالم کی صلاح و فلاح اس رسمی حکمت میں نہیں بلکہ اس حقیقی اور حقانی حکمت میں مضمر ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ السنہ غیر کی تعلیم اور ممالک غیر میں تبلیغ و اصلاح بھی علماء دیوبند کے مقاصد میں شامل تھی جو بظاہر اس وقت کے حالات کی نامساعدت سے عملی جامہ نہ پہن سکی صرف آروز ہی کے درجہ میں رہی مگر اس کا اظہار کر دیا گیا۔ اس بنا پر بعد میں ان کے اخلاف رشید نے اس طرف بھی قدم بڑھایا۔ وقتاً" فوقتاً" دارالعلوم میں انگریزی، سنسکرت وغیرہ کی تعلیم کا اجراء ہوا اور آج انگریزی تعلیم ایک شعبہ کی حیثیت سے دارالعلوم میں قبول کر لی گئی ہے۔ پس تعلیم دارالعلوم تو ممالک غیر میں پہلے ہی پہنچ کر بین الاقوامی ہو چکی تھی جس سے عمومی اصلاح ہو رہی تھی۔ اب بین الاقوامی تبلیغ و اصلاح کا راستہ بھی کھل چکا ہے اور حضرت بانی کی آرزو مستقلاً" عملی جامہ پہن رہی ہے۔

آٹھویں: حضرت نے محققانہ اور مدافعانہ تحریرات کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اور ایک مستقل حکمت اور نئے علم کلام کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے تلامذہ کو بھی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں لگایا اور ان کی فکری اعانت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ جس سے واضح ہوا کہ مقاصد دارالعلوم میں حسب تقاضاء وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شامل تھا۔

نویں: حضرت بانی قدس سرہٗ اور ساتھ ہی دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ و

عمائد نے خلیفۃ المسلمین سلطان ٹرکی سے اپنی عقیدت و محبت کا رشتہ نہ صرف نظری طور پر ہی قائم رکھا بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی مختلف طریقوں سے دیا۔ جیسے سلطان ٹرکی کی مدح میں قصائد لکھوائے۔ ٹرکی کی جنگوں میں ترکوں کے لیے امدادی فنڈ کھلوائے اور لاکھوں روپیہ چندہ کرا کر امدادی رقوم ارسال کیں۔ خود حضرت نے اپنے گھر کا سامان اور اہلیہ محترمہ کا سارا جہیز سلطانی چندہ میں دے دیا اور مسلمانوں کو خلیفۃ المسلمین کی طرف دینی رجوع قائم رکھنے پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں جابجا خود بھی سفر کیے اور اپنے متعلقین سے بھی کرائے جس سے واضح ہوا کہ قوم و وطن کی خدمت کے ساتھ علمی اور عرفانی انداز سے بین الاسلامی تعلقات کا تحفظ اور بموجودگی خلافت اسلامیہ اس کی حفاظت و صیانت اور حیثیت سے مسلمانوں کی اجتماعی مرکزیت کا بقاء بھی مقاصد دارالعلوم میں شامل تھا۔

دسویں: ان تمام تعلیمی و عملی کاموں کو مداخلت اغیار سے بچانے اور اپنی استغناء اور علمی حریت کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت وقت کی امداد سے گریز اور محض مسلمانوں کو مخلصانہ اور مختصر اعانت پر قناعت کے لیے حضرت نے آٹھ اساسی اصول وضع فرمائے جو محض الہامی محسوس ہوتے ہیں اور آج کی عقلیں بھی زمانہ کے دھکے کھا کر بالآخر ان ہی کو مسلمانوں کی پناہ گاہ سمجھنے پر مجبور ہیں جس سے واضح ہوا کہ حق خود اختیاری اور ملی استقلال کے جذبات کی عملی پرورش بھی دارالعلوم کے جوہری مقاصد میں شامل تھی جو حضرت بانی قدس سرہٗ کے عمل سے متشخص ہوئی تاکہ کسی وقت بھی مسلمانوں میں احتیاج اور احساس کمتری کے جذبات جاگزین ہونے نہ پائیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ

بہر حال بناء دارالعلوم کے اغراض و مقاصد اس کے ابتدائی دور میں گو بطور یا بانداز پروگرام منضبط کر کے شائع نہیں کیے گئے اور نہ سو برس پہلے کا

زمانہ اس کا مساعد ہی تھا۔ مگر حضرت بانی نے اپنے عمل اور طرز عمل سے دارالعلوم کے تمام اصولی مقاصد کا پورا پروگرام مشخص کر دیا اور مسلکی رنگ میں اس کے عملی نمونے دکھلا دیے جو اس دور کے ذہنوں کا رنگ بن گئے اور اگر وہ اس وقت کاغذ کی لوح پر نہیں آئے تو دلوں کی طرح پر مرتسم اور منقش ہو گئے جس کا اجمالی خاکہ اوپر عرض کیا گیا' تاکہ علماء دیوبند کے علمی مسلک کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو جائے کہ اس مسلک کے تحت ان کا عملی مسلک کیا تھا اور خود دارالعلوم کیا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ دارالعلوم محض مدرسہ نہیں' اسے صرف مدرسہ کی نظر سے دیکھنا دارالعلوم کو دیکھنا نہیں جبکہ دارالعلوم صرف تعلیم ہی کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مستقل مکتب فکر بھی ہے اور جہاں وہ مکتب فکر ہے وہیں وہ مکتب عمل بھی ہے۔ اور جہاں وہ مکتب عمل ہے وہیں وہ ایک مستقل دعوت بھی ہے جس میں تعلیمی عنوان سے مسلمانوں کی صیانت و حفاظت اور وجود و بقاء کا مکمل پروگرام سمایا ہوا ہے اس میں اصولاً مقننہ شریعت ہے۔ عدلیہ قضاء ہے اور انتظامیہ صدارت شورائیہ ہے اور ان کے لوازم میں وہ شعبے ہیں جن کی تفصیل پیش کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ماضی میں نہیں حال کی بھی دینی و دنیوی مشکلات کا بہت حد تک تعمیری حل ان مقاصد میں موجود ہے۔ لو کانو یعلمون پس مسلک علماء دیوبند صرف نظری ہی مسلک نہیں بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے جو آج سے سو برس پہلے دی گئی۔ اور غور کیا جائے آج سو برس کے بعد بھی وہ اسی طرح کا آمد ہے جس طرح کہ اس وقت تھی۔ البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے۔ پھیلاؤ تبلیغی ہے۔ جماؤ معاشرتی ہے' بچاؤ محکمہ قضائی ہے۔ چڑھاؤ' ریاضت و سپہ گری ہے۔ ضبط نفس' تربیتی ہے۔ مدافعت مجاہداتی ہے اور بین الاقوامیت دعوتی ہے۔

بہر حال دارالعلوم کا یہ مسلک جیسا جامع معتدل اور ہمہ گیر تھا ویسے ہی اس کے بانی کا عمل اور مسلکی پروگرام بھی جامع تھا جس نے اس دور کے گرتے

ہوئے مسلمانوں کو سنبھالا تاکہ وہ اس ملک میں اپنی شوکت چھن جانے کے بعد بھی من حیث القوم اپنے شخصی وجود کے ساتھ زندہ رہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت بانی نے اصل اصول تعلیم کو رکھا کیونکہ دین کا ہر شعبہ علم ہی سے وجود پزیر ہوتا ہے، جہل سے نہیں۔ تبلیغ یا تصنیف، تمکین ہو یا سیاست، تصوف ہو یا ریاضت، غیرت ہو یا استغناء، یہ سب علم کی فروعات ہیں جو علم ہی سے وجود پزیر ہوتی ہیں۔ علم نہ ہو تو جہالت کے ساتھ ان کا وجود ہی نہیں ہو سکتا یا اگر ہو گا تو فتنہ بنے گا۔ سیاست علم سے کٹ جائے تو نری چنگیزی اور کٹ کھنا ملک ہے۔ خطابت علم سے کٹ جائے تو پیشہ وارانہ وعظ گوئی ہے۔ تبلیغ کی پشت پر علم نہ ہو تو رسمی تحریک اور رواجی تنظیم ہے جو علم کے لیے مہلک ہے۔ تصوف کے ساتھ علم نہ ہو تو رہبانیت اور زندقہ ہے۔ بحث و مناظرہ کے پیچھے علم نہ ہو تو گروہی جھڑپ اور دھڑہ بندی ہے۔ السنہ غیر کی پشت پر علمی مقاصد نہ ہوں تو محض فنی ریسرچ یا غرض مندی ہے جس سے دین برپا نہیں ہو سکتا بلکہ تلبیس کا فتنہ پھیل سکتا ہے۔ غرض یہ تمام شعبے علم کی فروعات ہیں اور علم کے بغیر فتنے ہیں۔ البتہ اس سے بھی انکار کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بغیر علم بھی طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ اس کی قوت، وسعت زینت اور تاثیر و تصرف وغیرہ ان ہی شعبوں پر موقوف ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو علم کا بقا استحکام مشکل ہے علم کی زیادتی تو بعد کی بات ہے پس یہ شعبے تو علم کے بغیر وجود نہیں پا سکتے اور علم ان کے بغیر بقا نہیں پا سکتا دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ مگر اصل اصول علم ہے اور اس کے فروعی مقاصد یہ شعبے ہیں۔ اس لیے مسلک علماء دیوبند میں تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مستقلاً" کسی دوسرے شعبے کو حاصل نہیں۔ بنابریں حضرت بانی دارالعلوم نے ان تمام شعبوں کو مسلک کا جزو ضرور قرار دیا، مگر نمایاں تعلیم ہی کو رکھا۔ اس لیے بنا کردہ ادارہ کا نام مدرسہ یا دارالعلوم رکھا گیا۔

دارالتبلیغ یا دارالتصنیف یا دارالتربیت یا دارالسیاست، یا دارالتحقیق

خانقاہ تصوف وغیرہ نہیں رکھا گیا۔ بنابریں اس کے فضلاء کا مسلکی رنگ بھی یہی ہے کہ وہ ان تمام امور کو تعلیمی رنگ میں عارفانہ طور پر انجام دیتے ہیں۔ عامیانہ یا مجادلانہ یا متصوفانہ سیاسیانہ یا رسمیانہ انداز سے پیش نہیں کرتے مسلک کا یہ عملی نقشہ اگر شخصی ہوتا یعنی حضرت قاسم العلوم کی ذات تک محدود ہوتا تو ان کے بعد کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنے قلبی داعی کے نقشہ کو ادارہ کی بنیادوں میں لپیٹ کر پیش کیا اور اس کا نام بھی نہیں لیا کہ وہ کوئی نقشہ پیش کر رہے ہیں بلکہ اداری عمل کی لائنوں سے اسے ذہنوں میں جماتے رہے اور عمل کرتے رہے اس لیے افراد بدلتے گئے مگر نقشہ قائم رہا۔ اور ان اسلاف کے بعد بھی ان کے اخلاف رشید نے مسلک کے اسی نقشہ کے مطابق جدوجہد جاری رکھی۔ جس سے دارالعلوم دیوبند کے راستہ سے تعلیم و تدریس کے عموم کے ساتھ ساتھ کم و بیش یہ تمام شعبے اور عملی نقشے جاری رہے اور ان کے چلانے والے علماء کی پیداوار بھی بدستور جاری رہی جس سے اس ادارہ کے مسلک کے تحت اس کے مخلص محافظ ہزارہا علماء، محدث، فقیہہ، متکلم، خطیب، واعظ، مناظر، مفتی، قاضی، صوفی، سیاسی اور محقق پیدا ہوئے اور ہند و بیرون ہند میں پھیل کر انہوں نے اعلاء کلمتہ اللہ کا فریضہ انجام دیا۔

(۱) اولاً انہوں نے ملک اور بیرون ملک میں ہزارہا مدارس قائم کیے اور کر رہے ہیں۔ جس کے ذریعہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں اٹھیں اور اٹھ رہی ہیں۔ عداد و شمار سامنے رکھ کر اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ دارالعلوم نے اس سو برس کے عرصہ میں واسطہ و بلاواسطہ ان مدارس کی فیکٹریوں میں ڈھال ڈھال کر بیس پچیس ہزار علماء و فضلاء ہند اور بیرون ہند پھیلا دیئے جو مصروف خدمات ہیں اور جن سے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ایمان سنبھلے ہوئے عقیدہ و عمل سنت کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔

(۲) کتنے ہی جلیل القدر فاضلوں نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغی مساعی عام کیں

اور ہندو بیرون ہند تبلیغ کا آوازہ پہنچادیا۔ سینکڑوں فضلاء نے تصنیفی اداروں یا شخصی انداز سے ہزاروں علمی تصنیفات ہر علم و فن کی دنیا کے سامنے پیش کر دیں اور کر رہے ہیں جس سے اس ملک میں خصوصیت سے اردو زبان علم سے مالا ہو گئی اور جس کی بدولت آج عوام تک میں بھی دین و علم کے چرچے کافی حد تک ہیں جن کی نظیر ممالک اسلامیہ میں بھی موجود نہیں ہے حتیٰ کہ ہندوستان کا دین ممالک اسلامیہ میں بھی ضرب المثل بن گیا ہے۔

(۳) کتنے ہی فضلاء نے مسلکی طور پر سلوک کی راہیں بھی طے کیں اور کرائیں، سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔ جنہوں نے لاکھوں کو اخلاقی راہیں دکھلائیں اور نفوس کو مانجھ کر زیغ سے صاف کیا، لاکھوں کو سلسلہ بیعت میں داخل کر کے اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلایا، ذکر و شغل میں لگایا اور ان کے اخلاق کی تعدیل و اصلاح کی، بلکہ فن تصوف میں محققانہ کتابیں بھی تالیف کیں اور اس فن کو علمی روشنی کے ساتھ مضبوط اور پائیدار بنادیا۔ نہ صرف یہی بلکہ بعض ارباب تحقیق فضلاء نے اس ارادہ میں مجددانہ کام کیے اور تصوف کو مروجہ رسوم و ڈھونگ سے پاک کر کے تحقیقی انداز سے اسکا رشتہ کتاب و سنت سے جڑا ہوا دکھلایا اسے رسمیت سے نکال کر جس میں یہ فن ان آخری صدیوں میں پھنس گیا تھا اسے اس کے حقیقی مقام پر پہنچایا۔ چنانچہ فضلاء دارالعلوم میں کسی نہ کسی صورت میں یہ سلسلہ بھی بدستور قائم ہے۔

چنانچہ: دارالعلوم کے ابتدائی دور میں تو یہ منصوبہ چھتہ کی مسجد اور گنگوہ کے حلقہ بیعت وارشاد سے تکمیل پاتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد فضلاء دیوبند کا رجوع خود دیوبند کے مشائخ جیسے حضرت شیخ الہند، حضرت مفتی اعظم وغیرہ، نیز تھانہ بھون، رائے پور، سہارنپور اور میرٹھ وغیرہ کی طرف رہتا رہا جو آج تک بھی مختلف مراکز طریقت کے ذریعہ سے قائم ہے۔

اسی طرح: حضرت بانی کے اسوہ کے مطابق اس جماعت کے دواعی حریت و استقلال اور سیاسی جذبات بھی بدستور قائم رہے اور ہیں جس کے وسائل ہر

دور کے مناسب الگ الگ رہے۔

اولاً: خود دار العلوم ہی میں فن سپاہ گری کا شعبہ قائم ہوا جس میں مستقل استاد اسی فن کی تعلیم و تمرین کے لیے رکھے گئے ملکی تحریکات کے سلسلہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سب کے ذہنوں سے آج بھی او جھل نہیں ہوئی ہے جس میں ہندو بیرون ہند کے متعدد فضلائے دیوبند کام میں لگے ہوئے تھے۔ پھر تحریک خلافت اٹھی تو سب سے پہلے شرعی طور پر دار العلوم ہی کی جانب سے تحفظ و بقاء خلافت کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ اخبارات میں اعلان ہوا اور جماعت کے لاکھوں افراد نے اس تحریک میں عملی حصہ لیا۔ پھر استخلاص وطن کی تحریک اٹھی تو اس میں بھی لاکھوں منتسبین دیوبند نے اپنے اپنے رنگ میں کام کیا اور مختلف سیاسی لائنوں اس میں لگے اور آج تک بھی اس جماعت کے ذریعہ مناسب وقت ملکی و ملی خدمات انجام پا رہی ہیں جس میں اس توسعاتی اور ہمہ گیر مکتب فکر کے ماتحت ہندوستان کے ہر مکتب خیال کے بزرگوں کو شامل کر کے تحریک آزادی میں حصہ لیا اور اسے ملک گیر بنایا وغیرہ وغیرہ

اسی طرح: فضلاء دار العلوم کی مسلکی تنظیم کے سلسلہ میں دار العلوم نے خود ہی تحرک اٹھائی اور اس کے لیے ایک مستقل شعبہ بنام "تنظیم ابناء قدیم" قائم کیا۔ تاکہ ان کی مسلکی خدمات تاریخی طور پر منضبط رہیں اور ان میں مرکزیت قائم رکھنے کے دواعی بھی برقرار رہیں۔ اور اسی بنا پر ذمہ داران دار العلوم کو دوسرے ممالک بھی دعوت دے کر بلاتے ہیں۔

بہرحال: تعلیم، تبلیغ، تصنیف، سلوک، تنظیم، سیاست، بین الاقوامیت اور عالمی رابطہ تعلیم و تہذیب وغیرہ جن امور کی حضرت بانی قدس سرہٗ نے بنیاد ڈالی تھی جماعت دار العلوم ان میں سے کسی ایک شعبہ سے بھی الگ نہیں ہوئی۔ گو وقت کے تقاضوں سے کاموں کے رنگ ڈھنگ میں تبدیلی ہوتی رہی مگر بنیاد وہی ہے جو سو برس پہلے ڈالی گئی تھی اور وہ استوار ہے۔

بہر حال: علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریق عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا جس سے چند بندھے جڑے مسائل' یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کرلینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کردینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا اس کا مسلک نہیں بلکہ اس میں تعلیم' تبلیغ' تصنیف' سلوک' تذکیر' اصلاح' اجتماعیت اور جمعیت اور ساتھ ہی تعلیمی سلسلہ دین کے تمام علمی شعبے کلام' فقہ' تصوف' حدیث' تفسیر' اصول اور حکمت وغیرہ' پھر انداز فکر میں دین کی ایک ایک جزئی پر تصلب اور اس پر جمنا مگر اصول مذہب کے دائرہ میں رہ کر مسائل و فتوے کے اختلافی اقوال میں ترجیح و انتخاب کی حد تک صلاحیت مند مفکر اہل علم کا اجتہاد کرلینا بشرطیکہ اجتہاد اور وسعت فکر خود رائی اور ذہنی بے قیدی سے خالی ہو۔ ساتھ ہی ہمہ وقت ذکر سے غافل نہ رہنا۔ بشرطیکہ وہ تقشف اور رنگ رہبانیت سے خالی ہو۔ نیز اجتماعیت سے خالی نہ ہونا۔ بشرطیکہ وہ زمانہ کی رسمیات کی نقالی سے خالی ہو وغیرہ۔ اس جامع مسلک کے عناصر ترکیبی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک جزو میں غلو کرکے اسے لے لینا اور دوسرے سے گریز کرنا۔ جیسے فقہ کا ہو کر حدیث روایت سے بے تعلق ہو جانا یا اجتماعیات میں غلو کرکے تصوف سے بیزار ہو جانا' یا حکمت و فلسفہ دین میں لگ کر احکام کی اہمیت کھو دینا یا ان سب میں نظری طور پر لگ کر تنظیم ملت اور اجتماعیات سے غافل ہو جانا ان کا مسلک نہیں۔

اسی طرح ان شعبوں سے متعلقہ طبقات کی شخصیتوں میں سے بھی کسی ایک طبقہ یا ایک شخصیت کو لے کر دوسری شخصیتوں سے منحرف ہو جانا یا ان کی سوء ادب اور گستاخی سے پیش آنا بھی ان کا مسلک نہیں۔ بلکہ وہ بیک وقت محدثین' فقہاء' صوفیاء' حکماء' عرفاء' خلفاء' امراء سب ہی کے ادب کے جامع اور سب ہی سے استفادہ اور خوشہ چینی کے مقام پر ہیں۔ اس لیے یہ مسلک جامع عقل و عشق' جامع علم و معرفت' جامع عمل و اخلاق' جامع مجاہدہ و

جہاد، جامع دیانت و سیاست، جامع روایت درایت جامع خلوت جلوت جامع عبادت و معاشرت جامع حکم و حکمت، جامع ظاہر و باطن اور جامع حال و قال مسلک ہے۔ نقل و عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتب فکر اسے حکمت ولی اللہی سے ملا اصول دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمت قاسمیہ سے ملا۔ فروع دین میں رسوخ و استحکام پیدا کرنیکا جذبہ اسے قطب ارشاد حضرت گنگوہی کی حکمت عملی سے ملا۔ سلوک میں عاشقانہ جذبات و اخلاق کا والہانہ جوش و خروش اسے قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا۔ اور تصوف کے ساتھ اتباع سنت کا شوق و ذوق اسے حضرت مجدد الف ثانیؒ سید الشہداء رائے بریلوی قدس سرہٗ سے ملا۔ حدیث کے ساتھ فقہ فی الدین کی نسبت اور استناد اسے حضرت شاہ عبدالغنی نقشبندی قدس سرہٗ سے ملا۔ اور دین و سیاست کا علمی و عملی امتزاج اسے خاندان ولی اللہی کے مجاہدین سے ملا۔ اس طرح اس مسلک میں جامعیت و اعتدال کے یہ سارے عناصر بیک وقت جمع ہو گئے اور اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف ارباب نسبت اہل اللہ کی توجہات و تصرفات سے اسے حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یک جا ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کر لیا۔ مسلک علماء دیوبند کے اسی جامع اور معتدل مزاج کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے دیوبندیت کے بارہ میں ایک جامع اور بلیغ جملہ استعمال کیا تھا جو اس مسلک کی صحیح تصویر کھینچ دیتا ہے، ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ دیوبندی کیا کوئی فرقہ ہے؟ کہا کہ نہیں!

"ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے۔"

بہرحال: اس جامعیت اصول و شخصیت سے پیدا شدہ امتزاج کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے اور یہی دیوبندیت یا قاسمیت ہے، محض درس نظامی کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کا نام دیوبندیت نہیں۔

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات